لکھنؤ

# تعمیر حیات

پندرہ روزہ

Regd No. LW/NP 56

Phone 22948

# TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

یہاں بلا لیا۔ اے حضرات، اے بھائیو! اگر آپ امام حرم کو یہاں بلا سکتے ہیں اور وہ نئی دور سے یہاں آسکتا ہے تو جو اسلام آپ کے دروازے پر کھڑا ہے، جو آپ سے ابھی جدا نہیں ہوا ہے، آپ کیسے اپنے دلوں میں اسے جگہ نہیں دے سکتے۔ جب آپ امام حرم کو حرم سے بلا سکتے ہیں تو کیا ابھی جو آواز بلند ہوگی، جس کے متعلق اردو کا شاعر کہہ گیا ہے

موذن مرحبا۔ بروقت بولا
تری آواز مکے اور مدینے

اس آواز پر لبیک نہیں کہہ سکتے؟ یہاں جو اذان کی آواز بلند ہوگی وہی مکہ اور مدینہ میں بھی بلند ہو رہی ہے، جہاں جہاں انسان بستے ہیں وہاں اس کو بلند ہونا چاہئے اور اس پر لبیک کہنا چاہیئے۔

پھر ایسا موقع نصیب ہو یا نہ ہو، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے طور پر گواہی، اپنا حلف نامہ، اپنی ہر صداقت اور ہر خلوص ثبت کر دیں اور آپ یہاں صرف امام کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھ کر نہ جائیں بلکہ یہ عہد کریں کہ آپ کو یہ دین اپنے سینے سے لگا کر رکھنا ہے، اس پر ثابت قدم رہنا ہے، اسلام سے جب تک آپ کی وفاداری مستحکم نہ ہو، یہ نماز کافی نہ ہوگی۔

بھائیو! اسلام عقیدہ بھی ہے اور عمل بھی، اسلام ایک نظام حیات ہے، دنیا کے تمام مذاہب اپنے پیشواؤں کی طرف منسوب ہوتے ہیں، عیسائیت، یہودیت، بدھ مت وغیرہ لیکن اسلام کی یہ اصطلاح نہیں، اسلام کو ہم محمدیت نہیں کہتے، اگرچہ یہ دولت ہمیں انہیں سے ملی ہے لیکن "ان الدین عند اللہ الاسلام"، ہمارے مذہب کو اسلام اور ہمیں مسلم کہا گیا، اسلئے آپ اسلام کو ایک زندہ مذہب سمجھیں، آپ اس کا حق ادا کریں اور ثابت کریں کہ آپ اس

**ملک کے لئے لعل شب چراغ راہ اور باد بہاری ہیں، آپ اس ملک کے لئے خیر و برکت کا باعث ہیں۔ آپ کے ذریعہ یہاں محبت پھیلے، محبت کا پیام پھیلے اور ملک ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جائے۔**

## بقیہ صفحہ ایک اہم انٹرویو کی . . . .

انسان تھے انہوں نے اس موضوع پر مستقل کتاب لکھی، اور علماء نے اس مسئلہ کا حل نکالا، اس طرح کی صورت حال میں ہمیں اپنے قانونی ڈھانچہ پر از سر نو غور کرنا پڑے گا، لیکن یہ سب شریعت کے علماء اور اسلامی قوانین کے ماہروں کے ذریعہ ہوگا۔ اس سلسلے میں باہر کے علماء سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔

س:۔ مسلم Divorse سسٹم میں تبدیلی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج:۔ یہ بھی علماء اور اسلامی قانون دانوں کے ذریعہ ہوگا، اسلامی شریعت پوری دنیا میں Common ہے، باہر کے علماء اور یہاں کے علماء کا ایک سیمینار بلایا جائے اور طلاق کا جو پورا نظام اور اصول ہے اس کا جائزہ لیں۔ موجودہ مشکلات کو سامنے رکھ کر ہم اپنے مسائل طلاق کا جائزہ لیں کہ اس میں دین و شریعت کے فریم کے اندر رہتے ہوئے کونسی مفید، ضروری اور مناسب تبدیلی ہو سکتی ہے یا کچھ ایسے پہلو بھی ہیں جو ابھی سامنے نہیں آئے، ہم انہیں فقہ کی کتابوں کی مدد سے روشنی میں لائیں، ہم اپنے فقہی مسائل کو جو طلاق سے تعلق رکھتے ہیں دیکھیں کہ ان میں کیا لوچ پیدا کیا جاسکتا ہے، میں یہ بھی عرض کر دوں کہ ان مسائل پر غور کیا جاتا ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بھی بنا ہوا ہے، میں بھی اس کا ایک بنیادی ممبر ہوں۔

س:۔ پاکستان میں پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتے، اسکے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج:۔ ہم اس سے Agree نہیں کرتے، ہم اس سے متفق نہیں ہیں۔

س:۔ ایک Burning Topic فیملی پلاننگ کا ہے؟

ج:۔ اس میں بھی خاص حالات میں اجازت دی گئی ہے میڈیکل گراؤنڈ پر یا کسی دینی وجہ سے لیکن اس کا اختیار شوہر پر ہوگا، اس میں حکومت کا جبر صحیح نہیں، اس کے لئے ماحول تیار کرنا ضروری ہے!!

بقلم: عبدالستار فراج

ترجمہ: احسن نسیم صدیقی

## عربی کے حروف تہجی

کوئی شخص یہ بات یقین سے نہیں بتا سکتا کہ عربی حروف تہجی جو اس وقت موجود ہیں، جامع شکل میں کب سے وجود میں آئے۔ مگر یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ دور جاہلیت میں حروف تہجی موجود تھے اور عرب ان کا استعمال کرتے تھے۔

ابجد، ہوز وغیرہ کی شروعات کب سے ہوئی اس سلسلے میں متضاد روایتیں ملتی ہیں جن میں سے اکثر صرف غلط فہمی پر مبنی ہیں۔

عربی حروف تہجی سامی قوم میں مستعمل حروف تہجی کی ترتیب یعنی (ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت) سے مماثلت رکھتے ہیں۔ یہ حروف تعداد میں ۲۲ ہیں جب کہ عربی میں ۶ حروف زیادہ ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

ث، خ، ذ، ض، ظ اور غ — لہذا عربی حروف تہجی کی ترتیب میں ثخذ ضظغ کا اضافہ کیا گیا۔

اس ترتیب پر مبنی ہے جملوں کا وہ مشہور حساب جو شعری تاریخ کی بنیاد ہے۔ اس ترتیب کی بنیاد پر اشعار کے اوزان مقرر کئے گئے ہیں۔ یہ ترتیب حسب ذیل ہے:۔

(ابجد، ہوز، حطی) جس میں الف = ۱، ب = ۲، ج = ۳، د = ۴ اور اسی طرح یہ حروف ی پر ختم ہوتے ہیں جس کا نمبر شمار ۱۰ ہے۔

اس کے بعد وہ حروف تہجی آتے ہیں جن کا شمار ۲۰ سے کیا جاتا ہے (کلمن سعفص) میں ک = ۲۰، ل = ۳۰، م = ۴۰ اسی طرح ض تک شمار کیا جاتا ہے جو ۹۰ کے مساوی ہے، اس کے بعد قرشت، ثخذ، ضظغ کی باری آتی ہے۔ جس میں ق = ۱۰۰، ر = ۲۰۰ اور ش = ۳۰۰ اسی طرح غ تک شمار کیا جاتا ہے جس کا نمبر ۱۰۰۰ ہے۔

لیکن مغرب (مراکش) کے علماء کو اس ترتیب سے اتفاق نہیں ہے لہذا ان کے شمار کرنے کی ترتیب میں فرق پایا جاتا ہے ان کی رائے میں یہ ترتیب حسب ذیل ہے:۔

ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ، اس طرح وہ صرف حروف تسلیم کرتے ہیں۔ اور باقی ۶ حروف ص، ظ، س، ش، ظ اور غ سے انہیں اختلاف ہے۔

پہلی صدی ہجری میں نصر بن عاصم نے (متوفی ۸۹ھ) عربی حروف کو موجودہ شکل میں مرتب کیا تھا جو اس طرح ہیں۔ ا ب ت ث ج ح خ آخر تک۔ اس کے بعد خلیل بن احمد (متوفی ۱۷۵ھ) نے اپنی کتاب "کتاب العین" میں ان حروف کو ان کے مخرج کی بنیاد پر مرتب کیا لیکن اس نے ہمزہ کو آخر میں رکھا اس نے حروف کی ترتیب حسب ذیل رکھی:۔

ع ح ہ خ غ ک ق ج ش ض ص س ز ط د ت ظ ذ ث ر ل ن ف ب م و ا ور أ ی۔ اسی ترتیب کو الازہری (متوفی ۳۷۰ھ) نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ الازہری نے عربی زبان کے متعلق لغت میں ایک کتاب "التھذیب" تصنیف کی ہے۔ ابو احمد بن سیدہ (متوفی ۴۵۸ھ) نے حروف لغت پر اپنی "المحکم" میں اسی ترتیب کو اختیار کیا ہے۔

ابجد، ہوز، وغیرہ کی اس ترتیب سے عربی میں کل ۲۸ حروف بنتے ہیں لیکن موجودہ عربی زبان میں ۲۹ حروف پائے جاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ابجد، ہوز ترتیب میں الف مہموز کو ہمزہ اور الف ممدود کے لئے استعمال کیا گیا ہے جب کہ (الف ب ت ث وغیرہ) میں (أ) صرف ہمزہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ جب ہمیں ایک دوسرے حرف الف کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہم نے (الف) کو بھی تسلیم کر لیا جس کا استعمال ساکن حروف جیسے ج، ب، ل وغیرہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ عموماً اسے ل کے ساتھ ملا کر (لا) کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس (لا) کو و اور ی کے مابین رکھا گیا ہے اور اب "و" یعنی ممدودہ کی جگہ اور ی۔ کسرہ ممدودہ کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔

# تفہیم القرآن

از: مولانا محمد اویس ندوی مرحوم

## عام مسلمانوں کے ساتھ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (حجرات)

(مسلمان تو آپس میں بھائی ہی ہیں)

ہر مسلمان کا ایک دوسرے سے ایک بہت بڑا رشتہ ہے، وہ رشتہ دین کا ہے، کیسا ہی بڑے سے بڑا کافر اور سخت سے سخت دشمن ہو، جس وقت وہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا وہ ہمارا مذہبی بھائی بن گیا ہے، قرآن میں ہے،

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ (توبہ)

تو اگر یہ کافر توبہ کرلیں اور نماز کھڑی کریں اور زکوٰۃ دیں، تو وہ تمہارے مذہبی بھائی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سارے مسلمان مل کر ایک آدمی کے مثل ہیں کہ اگر اس کی آنکھ بھی دُکھے، تو سارا بدن دُکھ محسوس کرتا ہے، اور اگر سر میں درد ہو تو پورا جسم تکلیف میں ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہی حال مسلمانوں کا بھی ہونا چاہیئے کہ ان میں سے ایک کو بھی تکلیف پہونچے تو سارے مسلمان اس تکلیف کو محسوس کریں۔

فرمایا! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرے، نہ اس کو بے مدد چھوڑے اور نہ اس کو ذلیل کرے، آدمی کے لئے یہ برائی کیا کم ہے کہ وہ مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ مسلمان کا ہر حصہ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو،

فرمایا، کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ دے ملاقات ہو تو وہ اُدھر منھ پھیر لے اور یہ ادھر منھ پھیر لے اور ان دونوں میں اچھا وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔

فرمایا، ہر مسلمان پر اس کے مسلمان بھائی کے پانچ حق ہیں، اسلام کا جواب دینا، اس کے چھینکنے پر (خدا تم پر رحمت کرے) کہنا، اس کی دعوت قبول کرنا، بیمار ہو تو عیادت کرنا، اور مرجائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ چلنا،

ارشاد ہوا، جو کوئی قسم کھاکر کسی مسلمان کا حق مارے گا تو خدا اس کے لئے دوزخ واجب اور جنت حرام کرے گا۔

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح آدمی اپنی جان، مال عزت اور نفع کا خیال رکھتا ہے، اسی طرح دوسرے مسلمان کے لئے بھی خیال رکھنا چاہیئے۔

## جانوروں کے ساتھ برتاؤ:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ (انعام - ۲)

زمین کے جانور اور ہوا کی چڑیاں بھی تمہاری ہی طرح ایک اُمّت ہیں۔

جس طرح ہم آپس میں ایک دوسرے کو دُکھ نہیں پہونچاتے ہیں، سب کے آرام کا خیال رکھتے ہیں، اسی طرح جانوروں کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ ایک دن حضرت عبید اللہ اور حضرت عبد اللہ کے پاس کچھ لوگ آئے اور پوچھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور اس کو کوڑا مارتا ہے اس کے متعلق آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سُنا ہے؟ بولے نہیں؟ ان دونوں کی بڑی بہن اندر سے بولیں اور مندرجہ بالا آیت تلاوت کیں۔ یعنی وہ بھی رحم کے قابل ہیں۔

ایک مرتبہ آپ صحابہ کے ساتھ کسی سفر کے پڑاؤ میں تھے اور ضرورت سے کہیں تشریف لیگئے تھے، جب واپس آئے تو دیکھا کہ ایک صاحب نے اپنا چولھا ایسی جگہ جلایا ہے جہاں زمین میں یا درخت پر چیونٹیوں کا سوراخ تھا یہ دیکھ کر آپ نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ ان صاحب نے کہا یا رسول اللہ میں نے کیا ہے، فرمایا بجھاؤ بجھاؤ (غرض یہ تھی کہ ان چیونٹیوں کو تکلیف نہ ہو یا جل نہ جائیں)۔

ایک عورت کے لئے حضورؐ نے فرمایا کہ اس پر صرف اس لئے عذاب ہو رہا ہے کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا اور اس کو کھانا پانی نہ دیا، آخر وہ اسی طرح بندھی بندھی مرگئی۔

# محسنِ انسانیت نے فرمایا

عن ابی امامةؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الامیر اذا ابتغی الریبة فی الناس افسدھم۔ (رواہ ابوداؤد۔ مشکوٰة صفحہ ۳۲۲)

(ابوامامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا حاکم جب اپنی رعایا کی عیب جوئی کے درپے ہوجائے تو سمجھو لو کہ وہ ان کو بگاڑ کر رہے گا)۔

عن معاویة قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انک اذا اتبعتَ عورات الناس افسدتھم۔

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان مشکوٰة صفحہ ۳۲۲)

(حضرت معاویہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے میں نے خود سُنا ہے کہ جب تم لوگوں کے عیب کے پیچھے لگے تو سمجھ لو کہ تم ان کو بگاڑ کر رہوگے)۔

**شرح:** اصل بات یہ ہے کہ انسان ضعیف البنیان ہے اور کمزوریوں کا مجموعہ ہے اس لئے ہر انسان کی زندگی کے کسی نہ کسی گوشہ میں کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے اب حاکم اگر اسی کے پیچھے لگے رہے کہ کرید کرید کر انسانی کمزوریوں کو برسرِ بام لاتا رہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام اپنے حاکم سے متنفر بن جائیں گے اور انتقامی جذبات سے بھر کر اس کے درپے ہوں گے کہ خود اس حاکم کی کمزوریوں کو تلاش کریں اور عوام میں ان کو افشا کریں اور ضدی طبائع سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اپنے حاکم کی اس حرکت سے برافروختہ ہوکر جن جرائم کا وہ پہلے ارتکاب نہ کرتے تھے، ان کا ارتکاب کرنا شروع کردیں یا کم ازکم ان میں اور حد سے تجاوز کرجائیں اس کا نتیجہ جو کچھ ظاہر ہوگا وہ ظاہر ہے۔

اس لئے حاکم کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ جو چیز اس کے علم میں آجائے اگر وہ جماعتی طور پر مضرت رساں ہو تو ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے درگذر نہ کرے اور اگر کوئی انفرادی تقصیر ہو اور قابلِ اغماض ہو تو اس سے اغماض کرے ہاں حاکم کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے زیردست حکام اور رعایا کے عام حالات سے صحیح صحیح طور پر باضابطہ مطلع کرنے کی سعی کرتا رہے تاکہ حاکم کی غفلت محکوموں کو حکومت کے مقابلہ میں دلیر نہ بنادے یہاں حدیث کا منشاء صرف حاکم کو تنگ نظری سے اجتناب کرنے کی ہدایت کرنا منظور ہے اور شخصی کمزوریوں کے ہر وقت درپے رہنے سے ممانعت کرنا مدِّنظر ہے کیونکہ صحیح نظام اسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک کہ حاکم لوگوں کے عیوب کے درپے بھی نہ ہو۔ اور اسی طرح ان کے حالات سے کلیتہً غافل بھی نہ رہے، یہ تو اصول ہے رہ گئے ہنگامی حالات تو ان کے احکام علیحدہ ہیں اس کا فرق ہر حکومت جانتی ہے اور اس کا لحاظ رکھتی ہے۔

عن معقل بن یسار قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من والٍ یلی رعیة من المسلمین فیموت وھو غاشٌ لھم الا حرم اللہ علیہ الجنة۔

(متفق علیہ مشکوٰة صفحہ ۳۲۱)

(معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سُنا کہ جو حاکم بھی مسلمانوں کے کسی شعبہ پر مقرر ہو اور وہ ان کے ساتھ دھوکے اور کھوٹ کا معاملہ کرے اور اسی حالت پر اس کی موت آجائے تو اللہ تعالیٰ اپنی جنت کو اس پر حرام کردے گا)۔

**شرح:** قرآن وحدیث کا یہ عجیب اسلوب ہر جگہ قائم رہتا ہے کہ وہ عوام وخواص پر صرف ضوابط وآئین کا دباؤ نہیں ڈالتے بلکہ ایک ایسی طاقت کا خوف ان کے دلوں پر مستولی رکھنا چاہتے ہیں جو حاضر وغائب یکساں ان پر قائم رہے، آئین وضوابط بہت ضروری چیزیں ہیں اور اسلام میں اپنے مفصل دفعات کے ساتھ موجود ہیں لیکن اگر ان کے نافذ کرنے والے دماغ آزاد ہوں اور وہ کسی الٰہی یا کم ازکم انسانی طاقت کا خوف اپنے دلوں میں نہ رکھتے ہوں تو خواہ ان کی شکل کتنی ہی مکمل کیوں نہ ہو مگر وہ کچھ سود مند ثابت نہیں ہوتے حتیٰ کہ بعض مرتبہ غیر آئینی کارروائیوں کے لئے انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے الفاظ میں ایسی وسعت رکھی جاتی ہے کہ بوقتِ ضرورت ناجائز کارروائیوں کے لئے ان ہی ضوابط کے تحت کوئی نہ کوئی راہ کھل جاتی ہے اور اگر اس وسعت سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے تو بعض دفعات کا اضافہ ایسا کرلیا جاتا ہے جو ان کی اس ضرورت کو پورا کردے، لیکن اسلام زندگی کے کسی شعبہ میں خواہ وہ شخصی ہو یا قومی کھوٹ رکھنا موجب ہلاکت سمجھتا ہے اس لئے اس کے قوانین کا نگران خود انسان کا ضمیر ہوتا ہے اور اس کے قانون کی خلاف ورزی خود اسکے ضمیر کے لئے باعث ملامت ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# داعی ومبلّغ کا فرض

داعی ومبلغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہونچے اور حق کا پیغام پہونچائے، بعض صاحبوں کو خانقاہ نشینوں کے موجودہ طرز سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خاصانِ حق کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے، ان بزرگوں کی سیرتوں اور تذکروں کو کھول کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے، فیض کہاں پایا اور جو پایا اس کو کہاں کہاں بانٹا، اور کہاں جاکر زیرِ زمیں آرام کیا، اور یہ اس وقت کیا جب دنیا ریلوں، موٹروں، لاریوں اور سفروں کے دوسرے سامانِ راحت سے محروم تھی، حضرت معین الدین چشتیؒ سیستان میں پیدا ہوئے، چشت واقع افغانستان میں دولت پائی، اور راجپوتانے کے مشرکستان میں آکر حق کی روشنی پھیلائی۔

حضرت فرید شکر گنجؒ سندھ کے کناروں سے دہلی تک اور دہلی سے پنجاب تک آئے گئے، اور ان کے مریدوں در مریدوں میں حضرت خواجہ نظام الدین سلطان الاولیاءؒ اور پھر ان کے خلفاء کے احوال اور ان کے سفر کے مقامات اور ان کے مزارات کی جائے وقوع کو دیکھئے کہ وہ کہاں کہاں ہیں، کوئی دکن میں ہے، کوئی مالوہ میں ہے، کوئی بنگال میں ہے، کوئی صوبجات متحدہ میں ہے۔

اسلامی دعوت وتبلیغ کا ایک بڑا اصول "نفیر" ہے، یعنی دین کی طلب اور تبلیغ کے لئے ترکِ وطن کرکے ایسے مقامات پر جانا جہاں دین حاصل ہوسکے، اور پھر وہاں سے لوٹ کر اپنے وطن میں آکر اپنے قبیلوں اور ہم قوموں کو اس فیض سے مستفید کرنا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ

(مقدمہ کتاب "مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت)

"اللہ سے ڈرو۔ دیکھو کیا کر رہے ہو۔ بدگمانی سے بچو۔ اچھا گمان اچھا ہے۔ اور بدگمانی سے آدمی بُرا ہوتا ہے خود۔ اور اگر گناہ پر مطلع ہوجائے تو بدے بدترین خندق کو عبور کرکے چوتھی خندق میں گرتا ہے۔ چوری، زنا، شراب وغیرہ سے غیبت کم نہیں بلکہ زیادہ سخت ہے۔ لیکن اگر کوئی توبہ کرلے تو اللہ رب العزت معاف فرمانے والے ہیں ان مادی صورتوں میں ایک بات کا خیال رکھا جائے کہ ان کو خدا جانے کہ کون کیا ہے۔ تم تو اپنے کو دیکھو۔ ایک آدمی نے مجلس نبوی میں غیبت کردی حضورؐ نے اس پر غصہ فرمایا اور نکل جانے کا حکم دیا۔ معاشرت کو ٹھیک کئے بغیر روحانیت میں جلا اور ترقی نہ ہوسکے گی۔ ٹھیک معاشرت پر تمہاری تینوں چیزیں درست ہونگی اور جب تک محض اللہ کا تقاضہ دل میں نہ ہوگا، اس وقت تک سارے اعمال بے جان ہوں گے۔ اور یہ ساری چیزیں زبردست مجاہدہ چاہتی ہیں۔ جتنی محنت بڑھے گی جسم مغلوب ہوگا۔ روح غالب ہوگی۔ معاملہ اس وجہ سے نازک ہے کہ جس طرح سے ساری دنیا محنت کررہی ہے اسی طرح ہم بھی محنت کرنا چاہتے ہیں۔

(حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ)

اس شمارے کی قیمت: ایک روپیہ ۱/-

# تعمیر حیات

لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۱۵ | ۱۰ و ۲۵ مئی ۱۹۷۸ء مطابق ۲ و ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ | شمارہ ۱۳-۱۴

نرخ اشتراک اندرون ہند مع محصول ڈاک:
سالانہ ۱۲ روپئے ششماہی ساڑھے چھ روپیہ
فی پرچہ ۶۰ پیسے
بیرون ہند مع محصول ڈاک:
بحری ڈاک سے ایک پونڈ دس شلنگ
ہوائی ڈاک سے امریکہ و کناڈا اور
یورپین ممالک ۳ پونڈ
افریقہ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے ممالک ۲½ پونڈ
پاکستان: ۳۰ روپئے
بنگلہ دیش: ۱۵ روپئے


اسحٰق جلیس ندوی

## "افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج"

کسی ملک کی فوج کا اولیں فریضہ اس ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور بیرونی حملوں سے مدافعت ہوتا ہے، ثانوی درجے میں فوج سے اندرونِ ملک میں خانہ جنگی، بدامنی اور لاقانونیت کی اس فضا میں جب حالات سول انتظامیہ کے قابو میں نہیں رہتے ہیں، قیام امن و انتظام کا کام لیا جاتا ہے، لیکن بیشتر مسلم ممالک کی افواج نے ایک تیسری خدمت پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر رکھی ہے، وہ یہ کہ اپنے ملک کے عوام پر فوج کشی اور بندوق کی نال پر ان پر حکومت — اپنے ملک کے نہتے عوام کے فاتح اور اپنے حقیقی دشمنوں کے مفتوح۔

شام، عراق، لیبیا، صومالیہ اور اب افغانستان میں فوج نے عوام کو سنگینوں کے بل پر فتح کر لیا ہے، ملک کی قیمتی جانوں پر اپنے اقتدار کی مسند جمائی ہے، بیرونی دشمن سے بے نیازی اور اپنے شہریوں کی سرکوبی کی ایسی مثالیں غیر مسلم اکثریت کے ملکوں میں شاذ و نادر ہی ملیں گی؛

ع
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

افغانستان کا حالیہ انقلاب جس عنصر نے برپا کیا ہے اس کے ماضی، حال اور نظریات و افکار دنیا سے پوشیدہ نہیں، خالص کمیونسٹ عنصر نے پورے منصوبے کے ساتھ فوجی طاقت کے ذریعہ حکومت کا تختہ الٹ دیا، اور اس افغانی قوم پر جو دینی حمیت اور ملی غیرت میں امتیاز رکھتی ہے ایک لادینی نظام مسلط کرنے کا عزم کر رکھا ہے، اس سلسلے کے اقدامات شروع کر دئے گئے ہیں، ریڈیو پر اسلامیات کا جو پروگرام نشر ہوتا تھا اس کو بند کر دیا گیا ہے، حکومت کے ہر شعبہ سے ان افراد کو بے دخل کرنے کی مہم شروع کر دی گئی ہے جن پر یہ شبہ ہے کہ وہ دینی ذہن رکھتے ہیں اور نماز و روزہ کے پابند ہیں۔

افغانستان کے حالیہ صدر اور وزیر اعظم نور محمد ترا کی سے ایک پریس کانفرنس میں جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا کل جمعہ کی نماز انہوں نے پڑھی؟ تو ان کا گول مول جواب تھا کہ آپ یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں نے کل چاول کھایا یا نہیں؟ نماز میرا پرائیوٹ معاملہ ہے۔

اقبال نے "ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" نظم کیا ہے، جس میں ابلیس نے افغانی قوم کی دینی غیرت کو ختم کرنے کا علاج یہ تجویز کیا ہے ؎

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

اس کی تکمیل اسلام دشمن طاقتوں کی پشت پناہی سے نام نہاد مسلمان فوج کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔

ان سطور کی تحریر کے دوران ندوۃ العلماء کے نام رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے سکریٹری جنرل الشیخ محمد علی الحرکان کا ایک طویل ٹیلیگرام موصول ہوا، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "خبر رساں ایجنسیوں اور باوثوق ذرائع سے یہ اطلاعات ملی ہیں کہ افغانستان کے حالیہ مارکسسٹ انقلاب میں سینکڑوں علماء اور دیندار شخصیتوں کو قتل کیا گیا، ان شہداء میں ایک اہم شخصیت مؤتمر رسالۃ المساجد کے رکن علامہ شیخ گل محمد خان بھی شامل ہیں، رابطۂ عالم اسلامی اس قتل و غارت گری کی مذمت کرتی ہے اور تمام مسلم دنیا سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ہر جگہ اس ظلم و بربریت اور دین دشمنی کے خلاف احتجاج کرے۔ ہم موجودہ افغان حکومت سے تحقیقات اور مجرموں کو عبرتناک سزا دینے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سرخ مارکسی انقلاب طاقت کے بل بوتے پر اور خوں ریزی کے ذریعہ اپنے لادینی نظریات ایک ایسی قوم پر مسلط کرنے میں کوشاں ہے جس کی دینی حمیت ایک تاریخی حقیقت ہے، ہم افغانستان کے موجودہ حکمرانوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی اس انسانیت کش سرگرمیوں سے باز آجائے اور افغان قوم پر اپنے نظریات زور اور زبردستی سے ٹھونسنے کی کوششوں کو ترک کر دے۔"

افغانستان تجدد کی راہ پر گذشتہ نصف صدی سے گامزن رہا اور اس نے تھوڑی مدت میں بڑی دور تک منزلیں طے کر لیں۔ اس کے کئی اسباب ہیں، معاشی پسماندگی نے کمیونسٹ روس کا لتے ممنون احسان بنایا، اپنی جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے عالم اسلام سے اس کا رشتہ کمزور رہا، سیاسی اغراض نے پڑوسی ملک پاکستان سے اس کے تعلقات کشیدہ رکھے، ایسے علماء اور صاحب فکر افراد اور تحریکوں کی کمی جو نئی نسل اور تعلیمیافتہ طبقہ کا رشتہ اسلام سے مستحکم کرتیں۔

۱۹۷۳ء میں ظاہر شاہ کی حکومت کا خاتمہ کرکے داؤد خاں برسر اقتدار آئے تو ان کے دور میں تجدد و الحاد اور مذہب بیزاری کی تحریکوں کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں۔

۱۹۷۳ء میں رابطہ عالم اسلامی کے ایک وفد نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی قیادت میں جن مسلم ممالک کا دورہ کیا تھا ان میں افغانستان بھی تھا، مولانا اپنے سفرنامے "دریائے کابل سے دریائے یرموک تک" میں لکھتے ہیں:- "میں نے اپنے افغانی دوستوں سے پوچھا کہ مغربی تہذیب کے خول اور اسکی ظاہری چمک دمک کی طرف ملک کے بے تحاشہ بھاگنے، افغانی عورت کے بے پردہ ہونے اور ملک کے پورے طور سے کمیونسٹ بلاک میں شامل ہونے کے پس پردہ کس کی فکر کارفرما ہے؟ تو ان لوگوں نے شاہ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی سردار محمد داؤد خاں کا نام لیا، ... میں نے محسوس کیا کہ مذہبی رجحان رکھنے والے اور دین پسند لوگ ان کے رجحانات اور سرگرمیوں کو پسند نہیں کرتے، یہ بھی معلوم ہوا کہ تحریک پختونستان کے اصل روح رواں اور سب سے زیادہ سرگرم و پرجوش داعی یہی ہیں۔"

(صفحہ ۵۳)

داؤد خاں نے جس طبقہ کو بڑھاوا دیا آخر اسی کے ہاتھوں اپنے خاندان سمیت قتل ہوئے اور ان کی غلط پالیسی نے بدترین قیادت کے لئے راہ ہموار کر دی۔

افغانستان کے موجودہ حالات مایوس کن ضرور ہیں، لیکن امید کی کرن خود افغانی عوام کی دینی حمیت ہے، امیر البیان امیر شکیب ارسلان نے افغان قوم سے اپنی توقعات کو ان الفاظ کا جامہ پہنایا تھا:-

"میری جان کی قسم، اگر ساری دنیا میں اسلام کی نبض ڈوب جائے، کہیں بھی اس میں زندگی کی رمق باقی نہ رہے، پھر بھی کوہ ہمالیہ اور ہندوکش کے درمیان بسنے والوں میں اسلام زندہ رہے گا اور ان کا عزم جوان رہے گا۔" (حاضر العالم الاسلامی ج ۲ صفحہ ۱۹۷)

افغان قوم کی روایات و خصوصیات کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ امید ہے کہ وہ اس امتحان میں بھی دین پر ثابت قدم رہے گی، اور اس ملک میں خوشگوار تبدیلی میں کامیاب ہو گی۔





## "سیاست ایک پہاڑی ندی ہے جو شور مچاتی ہوئی نکل جاتی ہے، لیکن درس گاہیں تربیت گاہیں وہ میدانی دریا ہیں جو کھیتوں کو سیراب کرتے ہوئے اور زمین کو حیاتِ نو بخشتے ہوئے گذرتے ہیں اور باقی رہتے ہیں۔"

(لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور کل ہند مسلم مجلس مشاورت کی عاملہ کا اجلاس ۶، ۷، ۸ مئی ۷۸ء کو منعقد ہوا، اس موقع پر دار العلوم ندوۃ العلماء میں ان زعماء کے اعزاز میں ایک استقبالیہ جلسہ ہوا، جس کی صدارت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے فرمائی، اس جلسے سے صدر جلسہ کے علاوہ مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ (جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لاء بورڈ) جناب محمد یوسف صاحب (امیر جماعت اسلامی ہند) ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب ایم۔ پی (صدر مسلم لیگ) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) نے خطاب فرمایا، مولانا ندوی کی تقریر کا مکمل متن درج ذیل ہے جسے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے شاکر علی رحمانی متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء نے قلمبند کیا۔

جلسہ میں مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، مولانا مفتی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی، مولانا نظام الدین صاحب امیر شریعت، غلام محمود بنات والا، ایم۔ پی، جناب عبدالکریم پاریکھ، مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی، مولانا احمد علی صاحب قاسمی، ظفر احمد صدیقی وکیل، عشرت علی صدیقی، اسد حسین ایڈوکیٹ (مجلس) مفتی ضیاء الحق دہلوی وغیرہ بیرونی اور مقامی اہم شخصیتیں، دار العلوم کے اساتذہ، طلبہ اور اراکین انتظامیہ شریک تھے۔)

صدر محترم! حضرات علماء اور زعماء، احباب و رفقاء، اور عزیز طلبہ!

**مصنوعی بات:** یہ ایک مصنوعی اور خلاف حقیقت بات ہوگی کہ ہم اپنی اس خوشی کو چھپائیں جو اتنی اہم، محبوب اور مانوس شخصیتوں کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں دیکھ کر ہو رہی ہے۔ آپ حضرات کسی اجنبی ماحول میں نہیں ہیں، کیونکہ بار بار کہا گیا کہ آپ اپنے گھر میں ہیں۔

**اصل سرچشمہ علم اور فکر:**

کوئی بھی تحریک ہو، ملت کے لئے جو بھی کوشش ہو اور دنیا میں تبدیلی لانے کا جو بھی منصوبہ ہو، اس کا اصل سرچشمہ علم اور فکر ہوتا ہے، جو تحریک یا جو کوشش، فکر و علم کی رفاقت یا اعانت سے محروم ہو یا دور ہو وہ تحریک کامیاب نہیں ہوتی، اور اگر کامیاب ہو بھی جائے تو دیر پا ثابت نہیں ہوتی۔

دنیا میں صالح اور غیر صالح کتنے ہی انقلابات آئے ہیں خواہ وہ سیاسی نوعیت کے ہوں یا معاشرتی، فکری یا ذہنی، سب کے پشت پر کچھ ادارے رہے ہیں، کچھ درس گاہیں رہی ہیں —— مدرسہ یا درسگاہ میں وسیع معنی میں بول رہا ہوں، اقبال جس معنی میں مکتب و مدرسہ کا ذکر کرتے ہیں، وہی مفہوم میرے پیش نظر ہے۔

کسی تحریک کے ساتھ جب تک کسی مدرسہ، کسی دانشگاہ کی رفاقت و اعانت نہ ہو یا وہ اس کی آبیاری میں شریک نہ ہو، اس تحریک کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں، ایک معمولی جھونکے سے ایسی تحریکوں کے تناور درخت زمین پر گر جاتے ہیں۔

آپ انبیاء علیہم السلام کی مبارک، پاکیزہ، مامور من اللہ دعوتوں سے لے کر جن کے بعد تحریکات کا نام لینا، ...... انقلابات کا نام لینا ایک طرح کی بے ادبی محسوس ہوتی ہے۔ حیات انسانی کے دریا میں پیغمبروں کی دعوت سے لے کر مختلف تحریکوں اور انسانی کوششوں کی موجیں اٹھتی رہی ہیں، لیکن جس تحریک کی پشت پر فکر و علم، صحیح تربیت، عقیدہ اور ایمان اور کچھ حقائق اور بصیرت نہیں تو یہ حباب کی طرح اٹھیں گی اور حباب کی طرح بیٹھ جائیں گی بلکہ سراب ثابت ہوں گی۔ وہ لوگ جو پیاس سے جاں بلب ہوں گے جب تیزی سے قدم اٹھا کر قریب پہونچیں گے تو معلوم ہوگا کہ وہاں کچھ نہیں، وہاں سراب ہے، نگاہوں کا دھوکا ہے۔

**آپ اہل بصیرت ہیں:**

آپ مجھے معاف کریں، میرا اشارہ کسی خاص تحریک کی طرف نہیں ہے، لیکن مسلمانوں کی گذشتہ سو سال کی تاریخ میں ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تحریکوں نے اداروں کی اہمیت کو پورے طور سے محسوس نہیں کیا، اور انہوں نے کسی علمی اور فکری سرچشمہ سے دائمی ربط پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، یہ تحریکات آندھی طوفان کی طرح اٹھیں اور آندھی، پانی کی طرح نکل گئیں، تحریک خلافت کو آپ لے لیجئے، ہندوستان کی تاریخ میں حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے بعد اتنی ہمہ گیر اور طاقتور عوامی تحریک میرے علم میں کوئی اور نہیں، مگر افسوس ہے کہ خاص حالات اور مجبوریوں کی بنا پر اس کا فکر و علم کے سرچشمہ سے ایسا تعلق نہ ہو سکا یا قائم نہیں رہ سکا، عالم اسلام میں ایک تلاطم برپا تھا، یہ تحریک بھی چمک اور گرج کر بغیر برسے ہوئے بادل کی طرح ختم ہو گئی۔

آپ حضرات مختلف تحریکوں اور مختلف اداروں اور تنظیموں سے تعلق رکھتے ہیں، خدا کے فضل سے آپ سب اہل بصیرت اور تجربہ کار ہیں، آپ سے اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں اس لئے میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں، آپ یقیناً اداروں کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، جیسا کہ مجھ سے پہلے کی تقریروں میں صاف صاف اس کی طرف اشارات تھے۔

میں جب مدرسہ کا لفظ بولتا ہوں تو اس سے مراد ندوۃ العلماء یا اس کے دار العلوم کی چہار دیواری نہیں ہوتی بلکہ وہ مقاصد ہیں جن کے لئے درسگاہیں یا دانشگاہیں قائم ہوتی ہیں۔

**علماء سیاست کی اہمیت سمجھتے ہیں لیکن......**

میں سیاست کو شجر ممنوعہ نہیں سمجھتا، دین و سیاست کی تقسیم کا میں قائل نہیں، لیکن میں عرض کروں گا کہ سیاست ایک پہاڑی ندی ہے جو شور مچاتی ہوئی نکل جاتی ہے، لیکن درس گاہیں وہ میدانی ندی ہے جو کھیتوں کو سیراب کرتی ہوئی اور زمین کو حیات نو بخشتی ہوئی گذرتی ہے اور باقی رہتی ہے۔

آپ جب بھی مناسب سمجھیں سیاست کا دریا بہائیں، اور جس منزل پر ہمارے رفاقت و تعاون کی ضرورت ہو گی، ہم پیش کریں گے، اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ مسلم مجلس مشاورت کی ۱۹۶۴ء میں اسی دار العلوم میں بنیاد پڑی، یہ اس کا ثبوت ہے کہ علماء سیاست کی اہمیت کو کتنا سمجھتے ہیں، اور جب ندوۃ العلماء نے اس کی دعوت دی تھی تو اس کے سارے نتائج کو سمجھتے ہوئے اور قبول کرتے ہوئے اس کی دعوت دی تھی اور اسی بنا پر دی تھی کہ ہم دین و سیاست کو الگ نہیں سمجھتے، لیکن سیاست کا دریا بہاتے ہوئے آپ اس بات کو فراموش نہ کریں کہ اس دریا کا فیض دور تک پہونچانے کے لئے، اس کو گہرا بنانے کے لئے ان درسگاہوں کی مدد کی ضرورت ہے، ان کے تعاون کی ضرورت ہے، جو ذہن کو ڈھالتی ہیں، جو نسلوں کو تیار کرتی ہیں

# "سیاست کا دریا بہاتے ہوئے آپ اس بات کو فراموش نہ کریں کہ اس دریا کا فیض دور تک پہونچانے کے لیے، اس کو گہرا بنانے کے لیے، ان درسگاہوں کی مدد کی ضرورت ہے، جو ذہن ڈھالتی ہیں، جہاں مردم سازی اور آدم گری کا کام ہوتا ہے۔"

میں، جہاں مردم سازی اور آدم گری کا کام ہوتا ہے۔

## سب سے بڑی کوتاہی:

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں یہ بڑی کوتاہی ہوئی کہ ہم نے غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت صحیح طور پر نہیں پہونچائی، اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ برادرانِ وطن کے سامنے پیش نہیں کیا، خدا کے یہاں اس کا محاسبہ ہوگا، اس امت سے ضرور محاسبہ ہوگا، کہ اپنے ساتھ رہنے والوں تک تم نے اسلام کا پیغام نہیں پہونچایا، اس لئے کہ یہ میدان آج بھی منتظر ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے لئے فضا سازگار نہیں، عناد اور تعصب پایا جاتا ہے، غیر مسلموں نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ اسلام کا پیغام نہیں سنیں گے، لیکن میں فارسی کے شاعر کے اس شعر کو دہراتا ہوں ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ در کف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

## ہمارے لئے اسلامی نقطۂ نظر

انسانی نقطۂ نظر اور ہمارے مسائل اور مستقبل کے لحاظ سے یہ ضروری ہو گیا ہے اور اب اس میں کسی تاخیر کی گنجائش نہیں کہ ہم اسلام کی دعوت اپنے غیر مسلم بھائیوں تک پہونچائیں اور اسلامی زندگی کا مظاہرہ کریں۔

حضرات! اس کے لئے معتدل حالات کی ضرورت ہے، یہ سب سے پہلی شرط ہے، لوگ اس موڈ میں ہوں کہ معقول بات سنیں، ہماری بات سمجھیں، پہلی ضرورت یہ ہے کہ ملک کے حالات نارمل ہوں۔ یہاں لکھنؤ میں ۱۹[illegible]ء میں اردو ایڈیٹرس کانفرنس ہو رہی تھی، ہمارے دوستوں نے ان مدیران کو ندوہ میں چائے پر مدعو کیا، میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے اتنے اہل قلم اور صحافی شاید ہی لکھنؤ میں جمع ہوئے ہوں، مجھ سے فرمائش کی گئی میں خطاب کروں۔ میں نے فارسی کے ایک مصرعہ میں ترمیم کر کے پڑھا ع

زیر قلمت ہزار جان ست

میں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے اصل مصرعہ ترمیم پڑھتا ہوں کہ ع

زیر قدمت ہزار جان ست

**آپ حضرات جو سیاسی تحریکوں کی رہنمائی کر رہے ہیں، آپ کے قدموں کے نیچے ہزاروں نہیں بلکہ کروڑوں جانیں ہیں، صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ غیر مسلموں کی بھی۔**

اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس ملک میں ایسے حالات پیدا کریں کہ کوئی کسی کو اپنی معقول بات کہہ سکے، کسی کے ساتھ بیٹھ کر بات کر سکے، کسی پر اعتماد کر سکے،

**مسلمان کے متعلق یہ غلط فہمی دور ہو کہ وہ مردم آزار، جلد مشتعل ہونے والا اور ضدی ہوتا ہے، ایک نعرے میں دیوانہ ہو جاتا ہے، اس تخیل کو بدلنے کی ضرورت ہے۔**

میں بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ مسلمان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ ایک نعرے میں دیوانہ ہو جاتا ہے، اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ نعرہ کیوں لگایا جائے جس سے مسلمان پر جنون کا دورہ پڑے، جس میں مسلمان اپنا توازن کھو دے۔

## نعروں کا زمانہ گیا ہیں

صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کام کرنے والوں کو دس برس کی مہلت دیدیجئے ہم آپ سے صدقہ اور خیرات مانگتے ہیں، ہم بے زبان ہم بے سر و سامان دین کے خادموں کو صرف دس برس کی مہلت دیدیجئے اور قوم کو اشتعال و جذبات اور ہنگامہ آرائی کے سیاسی دھارے میں نہ بہائیے۔

میں آپ کے سامنے دردِ دل بیان کر رہا ہوں ؎

انیس جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ دے
پھر التفات دلِ دوستاں رہے نہ رہے

حضرات! میری صحت اور عمر کا جو حال ہے اس سے مجھے اطمینان نہیں کہ میں کب تک اپنی بات بھی کہہ سکوں گا، اور آج حسن اتفاق سے ملت مسلمہ کے اکثر رہنما موجود ہیں، میں ان سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ ملت کے لئے تھوڑی سی قربانی کر لیں، مسلمانوں کو ہیجان میں لانے کی کوشش نہ کریں، میں آپ سے کیا عرض کروں کس طرح اپنا دردِ دل کہوں، اور آپ سے چھپانے کی ضرورت بھی نہیں ہے

ابھی حال ہی میں ہم تحریک پیام انسانیت کے سلسلے میں پنجاب اور ہریانہ کے دورے سے واپس ہوئے، وہاں ہم نے دیکھا کہ لوگ دیوانہ وار۔ ع

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ در کف

ہیں، ہم نے اپنی آنکھوں سے غیر مسلموں کے دل میں ان کی آنکھوں میں محبت اور اپنائیت کی جھلک دیکھی، چنڈی گڑھ میں جو جلسہ ہوا اس کی صدارت وہاں کے چیف کمشنر نے کی، آپ جانتے ہیں کہ چنڈی گڑھ میں اونچے ملازم طبقہ میں مسلمانوں کی تعداد پچاس سے زائد نہ ہوگی باقی مزدور پیشہ لوگ ہیں، لیکن جلسے میں ہزاروں کا مجمع تھا جس میں نوے فیصد ہندو اور سکھ بھائی تھے، جلسے میں تین مرتبہ بجلی فیل ہوئی اور ایک مرتبہ لاؤڈ اسپیکر خراب ہوا، لیکن ایک شخص بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا، چیف کمشنر نے آخر میں اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ میں حیران ہوں، میرے پاس اس کی کوئی توجیہ نہیں ہے کہ بجلی فیل ہونے کے باوجود اور لاؤڈ اسپیکر فیل ہونے پر بھی وہ کون سی طاقت تھی جو لوگوں کو بٹھا رہی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ ہریانہ اور پنجاب میں کام کا میدان ہے غیر مسلم ہمیں اپنے فارموں پر لیجاتے تھے، ہمیں اپنے مکانوں پر لے جاتے تھے، ہم نے اذان و اقامت کے ساتھ ان کے گھروں میں باجماعت نماز پڑھی، ان کے گھر والے ہمیں نماز پڑھتا دیکھ رہے تھے کہ مسلمان اس طرح نماز پڑھتے ہیں، ہم نے پنجاب اور ہریانہ کا دورہ کیا اور ہمارے دل امیدوں سے معمور تھے، لیکن میں صفائی سے کہتا ہوں کہ سنبھل کے فساد نے ہم کو ہلا کر رکھ دیا، میں

←

**"میں قوم کے لئے، ملت کے لئے آپ سے خیرات مانگتا ہوں کہ ہم دین کے خادموں کو صرف دس برس کی مہلت دیدیجئے اور قوم کو جذبات اشتعال اور سیاسی ہنگامہ آرائی کے دھارے میں نہ بہائیے، مسلمانوں کو ہیجان میں لانے کی کوشش نہ کیجئے۔"**



تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا کہ غلطی کس کی تھی بلکہ نتیجہ کے اعتبار سے بات ایک ہی ہے، خواہ مسلمانوں کا نقصان ہوا ہو یا غیر مسلموں کا۔ پہل مسلمانوں نے کی ہو یا غیر مسلموں نے۔ میں سوچنے لگا کہ اگر خدانخواستہ ایک دو نظیریں اس کی قائم ہو گئیں تو ہم جو پیام انسانیت کا کام کر رہے ہیں کیسے جاری رہ سکے گا؟

افراد کو خیرات دی جاتی ہے میں قوم کے لئے، ملت کے لئے آپ سے خیرات مانگتا ہوں کہ دس برس کے لئے آپ مہلت دیدیجئے کہ ہمارے غیر مسلم بھائیوں کا ذہنی توازن باقی رہے، نارمل ہو جائے، اور مسلمانوں کا ذہن بھی طوفانی دریا کی مانند نہ ہو جائے کہ جس میں یہ ادارے بھی بہہ جائیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ادارے بھی اس وقت تک ہیں، جب تک نارمل حالات ہیں، یہ ادارے جن پر ہمیں فخر ہے، ندوۃ المصنفین، دار المصنفین، مولانا محمد علی مونگیری اور علامہ شبلی کی یہ دانشگاہ جس میں آپ بیٹھے ہیں مولانا قاسم صاحب نانوتوی کا یادگار دار العلوم دیوبند، آپ ان پر چاہے جتنا فخر کریں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اس وقت پیدا ہوئے جب حالات معتدل تھے اور اس وقت تک پیدا ہوتے رہیں گے جب تک اعتدال رہیگا۔

آپ اس زمین کو باقی رکھیں جس پر آبیاری کی جا سکے، کوئی اس پر محنت صرف کر کے بہتر نتائج پیدا کر سکے۔ اگر یہ زمین ہر وقت زلزلہ کا شکار رہے گی تو اعلیٰ درجے کا کاشکار، اور بہترین صلاحیت کا باغبان بھی اسے گل و گلزار نہیں بنا سکتا۔

میں آپ حضرات کا خیر مقدم کرتا ہوں، اپنی خوشی چھپا نہیں سکتا کہ جیسی فکر انگیز، بصیرت افروز اور متوازن تقریریں ہوئیں میں سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر اور اس مقام پر اس پیغام کی ضرورت تھی۔

مجھ سے پہلے جن حضرات نے تقریریں کی ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی کا بہترین تجربہ اور اپنے خیالات کا نچوڑ ہمارے طلبہ اور اساتذہ کے سامنے پیش کیا، اس کے ساتھ ساتھ میں معافی چاہونگا کہ میری کسی بات سے کسی کو تکلیف پہونچی ہو۔

**"آپ ملت کی کشتی کے ملاح اور کھیون ہار ہیں، کوشش کیجئے کہ یہ کشتی طوفان سے الگ ہو کر ساحل مراد تک پہونچ سکے"**

میں آپ سے یہی کہوں گا کہ اس وقت ہندوستان میں ایسے اعتدال کی ضرورت ہے جس میں ہر طرح کا دینی، دعوتی اور دنیوی کام کیا جا سکے ـــ آپ حضرات اس کشتی کے ملاح اور کھیون ہار ہیں، کوشش اس کی کیجئے کہ ملت کی کشتی طوفان سے الگ ہو کر ساحل مراد تک پہونچ سکے، زیادہ سے زیادہ سکون اور باہمی اعتماد اور اعتدال کے ساتھ یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ کی آمد پر ندوۃ العلماء کی طرف سے طلبہ اور اساتذہ کی طرف سے اور اپنی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ـــ٠ـــ٠ـــ٠ـــ

## مراسلہ

محترمی ایڈیٹر صاحب
سلام مسنون!

ایک طویل مایوسی کے بعد یہ مراسلہ ارسال کر رہا ہوں کہ شاید میری یہ تحریر میری برادری کے افراد کو خواب خرگوش سے بیدار کر سکے یا ان کے خوابیدہ احساسات کو مہمیز کر سکے۔

"ندوہ" کی ۸۵ سالہ جشن مبارک کے موقعہ پر اپنی مادر علمی کے سپوتوں کے جو تاثرات و جذبات دیکھنے کو ملے تھے وہ ایک تاریخی یادگار سے کم نہیں۔

اس جشن مبارک نے جہاں علمی دنیا میں "ندوہ" کا سکہ لوگوں کے دلوں پر جمایا وہیں اس نے ابنائے ندوہ کی ایک بڑی تعداد کو اکٹھا کرنے کا موقع بھی فراہم کر دیا تھا تاکہ دو بچھڑے دل پھر مل جائیں، (جس کی اس جہان فانی میں کم ہی امید کی جا سکتی تھی) چنانچہ ہر ایک اپنے ملنے والے سے ایک طویل جدائی کے بعد خلوص و محبت سے ایسے گلے مل رہے تھے کہ جیسے ایک ماں باپ کی دو اولادیں ایک طویل جدائی کے بعد مل رہے ہوں اور ماں کی مامتا محبت و پیار بھری نگاہ سے ان بچوں کو دیکھ رہی اور خوش ہو رہی ہو۔ انہیں جذبات و احساسات سے مغلوب ہو کر جیسا کہ میری فہم ناقص کام کرتی ہے ہمارے بڑے بھائیوں کے ذہن میں ایک بات پیدا ہوئی کہ کیوں نہ کوئی ایسی شکل پیدا کی جائے کہ بچھڑے دلوں کے برابر ملنے اور ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی کی راہ نکالی جائے اور خاص طور پر یہاں سے جانے کے بعد اپنی مادر علمی سے جو ایک بے تعلقی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے کہ جس کی حیثیت ایک مرکزی نقطہ کی ہے۔ یا یوں کہ مادر علمی کے سپوتوں کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے تو دونوں کے حق میں بہتر ہو اور اسلئے بھی کہ اگر خاکم بدہن کبھی مادر علمی پر کوئی کٹھن وقت پڑے تو اس کی ایک آواز پر ایک فوج گراں اسکی پشت پر جمع ہو جائے۔

چنانچہ کانفرنس کے خاتمہ کے بعد ایک آواز لگائی گئی (جس کا نہ تو پہلے سے وہم و گمان بھی تھا) کہ ابنائے قدیم پنڈال میں فلاں وقت بلا تاخیر جمع ہو جائیں صرف اس ایک آواز پر ہر چہار جانب سے وفورِ جذبات سے بھرے ہوئے جمع ہو گئے اس کے جلسہ کارروائی کا آغاز حضرت مہتمم صاحب قبلہ مدظلہ (مولانا حافظ محمد عمران خان صاحب ندوی) کی زیر صدارت ہوا، اور داعی نے جمع ہونے کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی اور اپنے اتحاد کیلئے ابنائے قدیم ندوہ کے نام سے ایک مجلس قائم کرنے کی تجویز پیش کی تو حاضرین نے بیک آواز لبیک کہا اس وقت عجیب سماں تھا کہ جس کی مثال ملنا مشکل ہو۔ داعی کی زبان سے نکلے ہوئے ہر الفاظ ایسے معلوم ہو رہے تھے کہ یہ صرف انہیں کے دل کی آواز نہیں ہے بلکہ حاضرین میں سے ہر ایک دل کی آواز ہے۔ چنانچہ اسی مجلس میں انجمن کی بنیاد پڑی اور بعض حضرات پر غالباً ذمہ داری بھی ڈالی گئی تب ہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ تو بہ جمعہ اور تاریکی کا خاتمہ ہوا جس نے اپنوں کو بیگانہ بنا دیا تھا اب کم از کم ہر چار پانچ سال میں چھوٹے بڑے سب یہاں نہ پر اکٹھا ہو جانے کا موقع مل جایا کریں گے جیسا کہ حاضرین سے اس کے بعد عام طور پر سننے کو ملا تھا۔

مگر وائے حسرت و ناکامی کہ سارے خواب سراب ثابت ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہیں کیونکہ آج ۳ سال سے زیادہ کا عرصہ بیت رہا ہے اس دوران "تعمیر حیات" کا ہر شمارہ بڑے والہانہ انداز میں اٹھاتا کہ شاید اس شمارے میں مجلس، کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا اسی جذبے کے تحت اس کی ایک ایک سطر پڑھ جاتا مگر جب پڑھ ختم کرتا تو مایوسی کا ایک اور پردہ پڑ جاتا۔

انہیں حسرت بھرے جذبات سے مغلوب ہو کر ہیں اسی ترجمان کے ذریعہ اپنی برادری کو جگانا چاہتا ہوں خصوصاً محرک اور داعی حضرات کو کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں کہ ایک چراغ جو ان حضرات نے جلایا ہے اسے روشن ہونے سے پہلے اپنے ہی ہاتھوں کیوں بجھا رہے ہیں۔

اور آخر میں آپ سے گذارش ہے کہ آپ برابر اس کی یاد دہانی "تعمیر حیات" کے ذریعہ کیجئے تو بھی خطوط کے ذریعہ بھی کرتے رہیں شاید اس سے کچھ نتیجہ نکل آسکے۔ والسلام

محمد انعام الحق ندوی، میر لطیف، مونگیر (بہار)

**براہِ کرم جواب طلب امور کے لئے جوابی خط ارسال کریں نیز حوالہ خریداری نمبر ضرور تحریر کریں۔**

(مینجر)

## تعمیر حیات کے قارئین جلد اپنی رائے سے مطلع فرمائیں

تعمیر حیات کا عام شمارہ ۱۲ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن مضامین کی کثرت اور تنوع کے لئے صفحات کی کمی برابر محسوس ہوتی ہے۔

لہٰذا عام شمارہ بجائے ۱۲ صفحات کے ۱۶ صفحات پر مشتمل شائع کرنے کا ارادہ ہے بشرطیکہ ہمارے قارئین قیمت میں اضافہ پر آمادہ ہوں، فوٹو آفسیٹ کے ۱۶ صفحات کی قیمت عام شمارہ ایک روپئے سالانہ زر تعاون بیس روپئے ہوگی۔

قارئین اپنی رائے سے جلد مطلع فرمائیں۔

(مینجر)

پرنٹر، پبلشر، مسئول سید محمد حسنی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔
ایڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی

از حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ

# (اُمّت پنا)

# مسلمانوں کو اُمّت بننے کی دعوت

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے وصال سے تین دن پہلے یعنی ۲۶ ذیقعدہ (مطابق ۳۰ مارچ ۶۵ء) منگل کے دن، بعد نماز فجر رائیونڈ (ضلع لاہور) میں ایک اہم تقریر فرمائی تھی۔ (یہ آپ کی زندگی کی اہم آخری تقریر تھی۔ "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید"

"دیکھو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ساری رات مجھے نیند نہیں آئی اس کے باوجود ضروری سمجھ کے بول رہا ہوں، جو سمجھ کے عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے چمکائے گا ورنہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا۔

یہ امت بڑی مشقت سے بنی ہے اس کو امت بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام ؓ نے بڑی مشقتیں اُٹھائی ہیں اور اُن کے دشمنوں یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اس کی کوششیں کی ہیں کہ مسلمان ایک امت نہ رہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوں، اب مسلمان اپنا اُمّت پنا (یعنی امت ہونے کی صفت) کھو چکے ہیں، جب تک یہ اُمّت بنے ہوئے تھے چند لاکھ ساری دنیا پر بھاری تھے، ایک پکا مکان نہیں تھا، مسجد تک پکی نہیں تھی، مسجد میں چراغ تک نہیں جلتا تھا، مسجد نبویؐ میں ہجرت کے نویں سال چراغ جلا ہے سب سے پہلا چراغ جلانے والے تمیم داریؓ ہیں وہ ۹ھ میں اسلام لائے ہیں اور ۹ھ تک قریب قریب سارا عرب اسلام میں داخل ہو چکا تھا مختلف قومیں، مختلف زبانیں، مختلف قبیلے ایک امت بن چکے تھے تو جب یہ سب کچھ ہو گیا، اس وقت مسجد نبوی میں چراغ جلا۔ لیکن حضورؐ جو نور ہدایت لے کر تشریف لائے تھے وہ پورے عرب میں بلکہ اس کے باہر بھی پھیل چکا تھا اور امت بن چکی تھی، پھر یہ امت دنیا میں اٹھی جدھر کو نکلی ملک کے ملک پیروں میں گرے۔ یہ امت اس طرح بنی تھی کہ ان کا کوئی آدمی اپنے خاندان، اپنی برادری اپنی پارٹی، اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان کا حامی نہ تھا، مال و جائداد اور بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ و رسولؐ کیا فرماتے ہیں، امت جب ہی بنتی ہے جب اللہ و رسولؐ کے حکم کے مقابلے میں سارے رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں جب مسلمان ایک امت تھے تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری امت ہل جاتی تھی اب ہزاروں لاکھوں گلے کٹتے ہیں اور کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔

امت کسی ایک قوم اور ایک علاقہ کے بسنے والوں کا نام نہیں ہے بلکہ سیکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جڑ کر امت بنتی ہے جو کوئی کسی ایک قوم یا ایک علاقہ کو اپنا سمجھتا ہے اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے وہ امت کو ذبح کرتا ہے اور اس کے ٹکڑے کرتا ہے اور حضورؐ اور صحابہؓ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے۔ امت کو ٹکڑے ہو کر پہلے خود ہم نے ذبح کیا ہے یہود و نصاریٰ نے تو اس کے بعد کٹی کٹائی امت کو کاٹا ہے۔ اگر مسلمان اب پھر امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی۔ ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمہارے ہتھیار اور تمہاری فوجیں تم کو نہیں بچا سکیں گی۔

مسلمان ساری دنیا میں اس لئے پٹ رہا اور مر رہا ہے کہ اس نے امت پنے کو ختم کر کے حضورؐ کی قربانی پر پانی پھیر دیا ہے۔ میں یہ دل کے غم کی باتیں کہہ رہا ہوں، ساری تباہی اس وجہ سے ہے کہ امت، امت نہ رہی بلکہ یہ بھی بھول گئے کہ امت کیا ہے اور حضورؐ نے کس طرح امت بنائی تھی۔

امت ہونے کے لئے اور مسلمانوں کے ساتھ خدائی مدد ہونے کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں نماز ہو، ذکر ہو، مدرسہ ہو، مدرسہ کی تعلیم ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل ابن ملجم ایسا نمازی اور ایسا ذاکر تھا کہ جب اس کو قتل کرتے وقت غصہ میں بھرے لوگوں نے اس کی زبان کاٹنی چاہی تو اس نے کہا سب کچھ کر لو لیکن میری زبان مت کاٹو تاکہ زندگی کے آخری سانس تک میں اس سے اللہ کا ذکر کرتا رہوں۔ اس کے باوجود حضورؐ نے فرمایا کہ علی کا قاتل میری امت کا سب سے زیادہ شقی اور بدبخت ترین آدمی ہوگا، اور مدرسہ کی تعلیم تو ابوالفضل اور فیضی نے بھی حاصل کی تھی اور ایسی حاصل کی تھی کہ قرآن پاک کی تفسیر بے نقط لکھ دی، حالانکہ انہوں نے ہی اکبر کو گمراہ کر کے دین کو برباد کیا تھا۔ تو جو باتیں ابن ملجم اور ابوالفضل فیضی میں تھیں وہ امت بننے کے لئے اور خدا کی غیبی نصرت کے لئے کیسے کافی ہو سکتی ہیں۔؟

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھی دینداری کے لحاظ سے بہترین مجموعہ تھے، وہ جب سرحدی علاقے میں پہونچے اور وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنا بڑا بنا لیا تو شیطان نے وہاں کے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ یہ دوسرے علاقے کے لوگ، ان کی بات یہاں کیوں چلے۔ انہوں نے ان کے خلاف بغاوت کرائی، ان کے کتنے ہی ساتھی شہید کر دئے گئے اور اس طرح خود مسلمانوں نے، علاقائی بنیاد پر امت پنے کو توڑ دیا، اللہ نے اس کی سزا میں انگریزوں کو مسلط کیا۔ یہ خدا کا عذاب تھا۔

یاد رکھو میری قوم اور میرا علاقہ اور میری برادری یہ سب امت کو توڑنے والی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں اتنی ناپسند ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ جیسے بڑے صحابی سے اس بارے میں جو غلطی ہوئی (جو اگر دب نہ گئی ہوتی تو اس کے نتیجہ میں انصار اور مہاجرین میں تفریق ہو جاتی) اس کا نتیجہ حضرت سعدؓ کو دنیا ہی میں بھگتنا پڑا۔ روایات میں یہ ہے کہ ان کو جنات نے قتل کر دیا اور مدینہ میں یہ آواز سنائی دی اور بولنے والا کوئی نظر نہ آیا۔

قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ
ورمیناہ بسہم فلم یخط فوادہ[1]

اس واقعہ نے مثال کر دی اور سبق دیا کہ اچھے سے اچھا آدمی بھی اگر قومیت یا علاقہ کی بنیاد پر امت پنے کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا۔

امت جب بنے گی جب امت کے سب طبقے بلا تفریق اس کام میں لگ جائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دے کے گئے ہیں اور یاد رکھو امت پنے کو توڑنے والی چیزیں معاملات اور معاشرت کی خرابیاں۔ ایک فرد یا طبقہ جب دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتا ہے اور اس کا پورا حق اس کو نہیں دیتا یا اس کو تکلیف پہنچاتا ہے یا اس کی تحقیر اور بے عزتی کرتا ہے تو تفریق پیدا ہوتی ہے اور امت پنا ٹوٹتا ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ صرف کلمہ اور تسبیح سے امت نہیں بنے گی۔ امت معاملات اور معاشرت کی اصلاح سے اور سب کا حق ادا کرنے اور سب کا اکرام کرنے سے بنے گی بلکہ جب بنے گی جب دوسروں کے لئے اپنا حق اور اپنا مفاد قربان کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اور اپنے پر تکلیفیں جھیل کے اس امت کو امت بنایا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک دن لاکھوں کروڑوں روپے آئے اُن کی تقسیم کا مشورہ ہوا۔ اس وقت امت بنی ہوئی تھی، یہ مشورہ کرنے والے کسی ایک قبیلہ یا ایک ہی طبقہ کے نہ تھے بلکہ مختلف طبقوں اور قبیلوں کے وہ لوگ تھے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے اعتبار سے بڑے اور خواص سمجھے جاتے تھے، انہوں نے مشورہ سے باہم طے کیا کہ تقسیم اس طرح پر ہو کہ سب سے زیادہ حضورؐ کے قبیلہ والوں کو دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے قبیلہ والوں کو، پھر حضرت عمرؓ کے قبیلہ والوں کو، اس طرح حضرت عمرؓ کے اقارب تیسرے نمبر پر آئے۔ جب یہ بات حضرت عمرؓ کے سامنے رکھی گئی، تو آپ نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ اس امت کو جو کچھ ملا ہے اور مل رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور آپ کے صدقے میں مل رہا ہے، اس لئے بس حضورؐ ہی کے تعلق کو معیار بنایا جائے جو نسب میں آپؐ کے زیادہ قریب ہوں اُن کو زیادہ دیا جائے جو دوم، سوم، چہارم نمبر پر ہوں ان کو اسی نمبر پر رکھا جائے، اس طرح سب سے زیادہ بنی ہاشم کو دیا جائے اس کے بعد بنی عبد مناف کو، پھر قصی کی اولاد کو، پھر کلاب کو، پھر کعب کو پھر مرہ کی اولاد





کو، اس حساب سے حضرت عمرؓ کا قبیلہ بہت پیچھے پڑ جاتا تھا اور اس کا حصہ بہت کم ہو جاتا تھا، مگر حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ کیا اور مال کی تقسیم میں اپنے قبیلہ کو اتنے پیچھے ڈال دیا۔ اس طرح بنی تھی یہ امت!

امت بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب کی یہ کوشش ہو کہ آپس میں جوڑ ہو پھوٹ نہ پڑے۔ حضورؐ کی ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج، تبلیغ سب کچھ کیا ہوگا مگر وہ عذاب میں ڈالا جائے گا، کیونکہ اس کی کسی بات نے امت میں تفریق ڈالی ہوگی، اس سے کہا جائے گا پہلے اپنے اس ایک لفظ کی سزا بھگت لے جس کی وجہ سے امت کو نقصان پہونچا، اور ایک دوسرا آدمی ہوگا جس کے پاس نماز، روزہ، حج وغیرہ کی بہت کمی ہوگی اور وہ خدا کے عذاب سے بہت ڈرتا ہوگا۔ مگر اس کو بہت ثواب سے نوازا جائے گا وہ خود پوچھے گا کہ یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے اس کو بتایا جائیگا کہ تو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے امت میں پیدا ہونے والا ایک فساد رک گیا اور بجائے توڑ کے جوڑ پیدا ہو گیا۔ یہ سب تیرے اسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے۔

امت کے بنانے اور بگاڑنے میں جوڑنے اور توڑنے میں سب سے زیادہ دخل زبان کا ہوتا ہے، یہ زبان دلوں کو جوڑتی بھی ہے اور پھاڑتی بھی ہے زبان سے ایک بات غلط اور فساد کی نکل جاتی ہے اور اس پر لاٹھی چل جاتی ہے اور پورا فساد کھڑا ہو جاتا ہے اور ایک ہی بات جوڑ پیدا کر دیتی ہے اور پھٹے ہوئے دلوں کو ملا دیتی ہے۔ اس لئے سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ زبانوں پر قابو ہو اور یہ جب ہو سکتا ہے جب بندہ ہر وقت اس کا خیال رکھے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ ہے اور اس کی ہر بات کو سن رہا ہے۔

مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج ان میں پشتوں سے عداوت اور لڑائی چلی آ رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے اور انصار کو اسلام کی توفیق ملی تو حضورؐ کی اور اسلام کی برکت سے ان کی پشتوں کی لڑائیاں ختم ہو گئیں اور اوس و خزرج شیر و شکر ہو گئے یہ دیکھ کر یہودیوں نے اسکو ٹھانا کہ کسی طرح ان کو پھر سے لڑایا جائے۔ ایک مجلس میں جس میں دونوں قبیلوں کے آدمی موجود تھے، ایک سازشی آدمی نے اُن کی پرانی لڑائیوں سے متعلق کچھ شعر پڑھ کے اشتعال پیدا کر دیا، پہلے تو زبانیں ایک دوسرے کے خلاف چلیں، پھر دونوں طرف سے ہتھیار نکل آئے، حضورؐ سے کسی نے جا کر کہا آپ فوراً تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے تم آپس میں خون خرابہ کروگے آپ نے بہت مختصر مگر درد سے بھرا ہوا خطبہ دیا، دونوں فریقوں نے محسوس کر لیا کہ ہمیں شیطان نے ورغلایا، دونوں روئے اور گلے ملے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ الخ (اے مسلمانو! خدا سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنا چاہئے اور مرتے دم تک پورے پورے مسلم اور خدا کے فرماں بردار بندے بنے رہو)۔

## جب آدمی ہر وقت خدا کا خیال رکھے گا اور اس کے قہر و عذاب سے ڈرتا رہے گا اور ہر دم اس کی تابعداری کرے گا تو شیطان بھی اسے نہیں بہکا سکے گا، اور امت پھوٹ سے اور ساری خرابیوں سے محفوظ رہے گی۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا۔ (اور اللہ کی رسی کو یعنی اس کی کتاب پاک اور اس کے دین کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو، یعنی پوری اجتماعیت کے ساتھ اور امت پنے کی صفت کے ساتھ سب مل جل کر دین کی رسی کو تھامے رہو اور اس میں لگے رہو اور قوم کی بنیاد پر یا علاقہ کی بنیاد پر یا زبان کی بنیاد پر یا کسی اور بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور اللہ کے اس احسان کو نہ بھولو کہ اس نے تمہارے دلوں کی وہ عداوت اور دشمنی ختم کر کے جو پشتوں سے تم میں چلی آ رہی تھی تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تمہیں باہم بھائی بھائی بنا دیا اور تم آپس میں اس وقت دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے بس گرنے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تھام لیا اور دوزخ سے بچا لیا۔)

شیطان تمہارے ساتھ ہے اسکا علاج یہ ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جس کا موضوع ہی بھلائی کی اور نیکی کی طرف بلانا اور ہر برائی اور ہر فساد سے روکنا ہو۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر۔ واولئک ہم المفلحون۔ (امت میں ایک گروہ وہ ہو جس کا کام اور موضوع ہی یہ ہو کہ وہ دین کی طرف اور ہر قسم کے خیر کی طرف بلائے۔ ایمان کے لئے اور خیر اور نیکی کے راستہ پر چلنے کے لئے محنت کرتا رہے، نمازوں پر محنت کرے، ذکر پر محنت کرے، برائیوں اور معصیتوں سے بچانے کے لئے محنت کرے اور ان محنتوں کی وجہ سے امت ایک امت بنی رہی۔

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءتہم البینٰت۔ واولئک لہم عذاب عظیم۔ (جو لوگ ان ہدایتوں کے بعد بھی شیطان کی پیروی کریں گے اور الگ الگ راہوں پر چل کے اختلاف پیدا کریں گے اور امت کے امت پنے کو توڑیں گے تو ان پر خدا کی سخت مار پڑے گی)۔ (اولئک لہم عذاب عظیم)

دین کی ساری تعلیم اور ساری چیزیں جوڑنے والی اور جوڑنے کے لئے ہیں نماز میں جوڑ ہے، روزہ میں جوڑ ہے، حج میں قوموں اور ملکوں اور مختلف زبان والوں کا جوڑ ہے، تعلیم کے حلقے جوڑنے والے ہیں، مسلمانوں کا اکرام اور باہم محبت اور تحفہ تحائف کا لین دین یہ سب جوڑنے والی اور جنت میں لیجانے والی چیزیں ہیں اور قیامت میں ان اعمال کے لئے محنتیں کرنے والوں کے چہرے نورانی ہوں گے اور ان کے برخلاف باہم بغض و حسد، غیبت، چغلخوری، توہین و تحقیر اور دل آزاری یہ سب پھوٹ ڈالنے والے اور توڑنے والے اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال ہیں اور ان اعمال والے آخرت میں روسیاہ ہوں گے۔

یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ۔ فاما الذین اسودت وجوہہم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون۔ واما الذین ابیضت وجوہہم ففی رحمۃ اللہ ہم فیہا خالدون۔

(جنھوں نے پھوٹ ڈال کے اور پھوٹ والے اعمال کر کے امت کو توڑا ہوگا، وہ قیامت کے دن قبروں سے کالے منہ اٹھیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان و اسلام کے بعد کفر والوں کا طریقہ اختیار کیا، اب تم یہاں دوزخ کا عذاب چکھو اور جو ٹھیک راستہ پر چلتے رہے ہوں گے ان کے چہرے نورانی اور چمکتے ہوئے ہوں گے اور وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت میں اور جنت میں رہیں گے۔)

میرے بھائیو دوستو! یہ سب آیتیں اس وقت اُتری تھیں، جب یہود نے انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی تھی اور ان کے دو قبیلوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا تھا۔ ان آیتوں میں مسلمانوں کی باہمی پھوٹ اور لڑائی کو کفر کی بات کہا گیا ہے اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے آج ساری دنیا میں امت پنا توڑنے کی محنت چل رہی ہے، اس کا علاج اور توڑ یہی ہے کہ تم اپنے کو جوڑ والی محنت میں لگا دو، مسلمانوں کو مسجدوں میں لاؤ، وہاں ایمان کی باتیں ہوں، تعلیم اور ذکر کے حلقے ہوں، دین کی محنت کے مشورے ہوں، مختلف طبقوں کے اور مختلف برادریوں کے اور مختلف زبانوں والے لوگ مسجد نبویؐ کے طریقہ پر ان کاموں میں جڑیں، جب امت پنا آئے گا۔ ان باتوں سے بچیں جن سے شیطان کو پھوٹ ڈالنے کا موقع ملے۔ جب تین بیٹھیں تو اس کا خیال رکھیں کہ چوتھا ہمارے ساتھ اللہ ہے، جب چار بیٹھیں تو ہمیشہ یاد رکھیں کہ پانچواں اللہ ہمارے ساتھ ہی موجود ہے اور وہ ہماری ہر بات سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے کہ ہم امت بنانے کی بات کر رہے ہیں یا امت پنا توڑنے کی۔ ہم کسی کی غیبت یا چغلخوری تو نہیں کر رہے ہیں، کسی کے خلاف سازش تو نہیں کر رہے ہیں یہ امت حضورؐ کے خون اور فاقوں سے بنی تھی۔ اب ہم اپنی معمولی معمولی باتوں پر امت کو توڑ رہے ہیں، یاد رکھو نماز تیرہ چودہ برس بھی اتنی بگڑی نہیں ہوگی جتنی امت کے توڑنے پر ہوگی۔ اگر مسلمانوں میں امت پنا آ جائے تو وہ دنیا میں ہرگز ذلیل نہ ہوں گے، روس اور امریکہ کی طاقتیں بھی ان کے سامنے جھکیں گی اور امت پنا جب آئے گا جب "اذلۃ علی المومنین" پر مسلمانوں کا عمل ہو یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے مقابلہ میں چھوٹا بنے اور ذلت و تواضع اختیار کرے، کرو بنائے تبلیغ میں اسی کی مشق کرنی ہے جب مسلمانوں میں "اذلۃ علی المومنین" والی صفت آ جائے گی تو وہ دنیا میں "اعزۃ علی الکٰفرین" یعنی کافروں کے مقابلہ میں زبردست اور غالب ضرور ہوں گے چاہے وہ کافر یورپ کے ہوں یا ایشیا کے۔

میرے بھائیو دوستو! اللہ و رسولؐ نے ان باتوں سے شدت اور سختی سے منع فرمایا ہے جن سے دلوں میں فرق پڑے اور پھوٹ کا خطرہ بھی ہو، دو دو چار چار الگ کانا پھوسی کرنی اسی سے شیطان دلوں میں بدگمانی پیدا کر سکتا ہے اسی سے منع فرمایا گیا اور اس کو شیطانی

باقی صفحہ پر

ابوسلمان شاہجہاں پوری

# تبرکاتِ آزاد

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا ایک مضمون "مولانا ابوالکلام آزاد — یادیں اور تاثرات" کے عنوان سے روزنامہ قومی آواز لکھنؤ کی خصوصی اشاعت "امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد" میں مولانا کی ۱۹ ویں برسی پر ۲۷ فروری ۱۹۷۶ء کو شائع ہوا ہے اس میں مولانا علی میاں نے مولانا آزاد سے اپنے تعلق و تعارف کی ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے:

"مولانا ابوالکلام آزاد اپنی جوانی کے آغاز میں شمس العلماء مولانا محمد یوسف رنجور عظیم آبادی کی جو کلکتہ میں مقیم تھے عرصہ تک صحبت میں رہے اور استفادہ کیا۔ وہ خاندان صادق پور کے چشم و چراغ تھے۔ یہ خاندان حضرت سید احمد شہیدؒ کے مخلص و صادق اور وفادار ترین معتقدوں میں تھا اور جس کا ان قربانیوں میں بڑا حصہ تھا جو سید صاحب کی دعوت و تحریک کے مجاہدوں کو انگریزی دور اقتدار میں دینی پڑیں۔"

یہاں استفادے سے مراد ان سے شاگردانہ استفادہ نہیں بلکہ مولانا آزاد کی ابتدائی زندگی اور دینی افکار پر ان اثرات کی نشاندہی ہے جو خاندان سعادت صادق پور کے اس فرد فرید شمس العلماء مولوی محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی صادق پوری "چیف مولوی بورڈ آف اگزامنرس کلکتہ" کے ان پر پڑے تھے اور خاندان کی روایت پرست اور متبدعانہ زندگی سے انحراف کا باعث ہوئے تھے۔ رنجور مرحوم کے نبیرہ مرحوم قدرت اللہ فاطمی (اسلام آباد۔ پاکستان) کے پاس مولوی رنجور کے نام مولانا آزاد کے جو خطوط اور رقعے ہیں ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا ابوالکلام نے بدو شعور ہی سے اپنے خاندان کی روایتی زندگی کے برخلاف جو مسلک حقہ اختیار کر لیا تھا اس میں رنجور مرحوم کے حسن تبلیغ اور حکمت دعوت کا بڑا حصہ تھا۔ مولانا آزاد کے والد مولوی خیر الدین مرحوم کو رنجور سے شکایت تھی اور وہ اپنے بیٹے کی "گمراہی" کا ذمہ دار انہی کو قرار دیتے تھے۔

اس زمانے میں مولانا آزاد نے ایک اہل حدیث عالم دین کا کتب خانہ خریدا اس میں انہیں نواب صدیق حسن خاں کی کتابوں کے علاوہ اشاعۃ السنۃ لاہور اور نصرۃ السنۃ جارس کی تمام پرانی جلدیں اور علمائے محققین سلف کی بہت سی اہم اور نادر کتابیں مل گئیں (آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ مطبوعہ دہلی ص ۲۶۲ و ۲۷۹) جن کے مطالعے نے ان کے خیالات کو اور مستحکم کر دیا۔

مولوی محمد یوسف رنجور کے ایما پر مولانا آزاد نے صادق پور کے ایثار پیشہ گلکار اور علمائے حق پرست کے تذکار مقدس "الدر المنثور معروف بہ تذکرہ صادقہ" مصنفہ مولوی عبد الرحیم عظیم آبادی صادق پوری پر اردو اور فارسی میں قطعات تاریخ اور فارسی میں ایک منظوم تقریظ بھی لکھی تھی۔ قطعات تاریخ تصنیف و طباعت تو تذکرے میں شامل ہو گئے لیکن فارسی تقریظ قلت گنجائش کی بنا پر شریک اشاعت نہ ہو سکی۔ اب یہ تقریظ مولوی رنجور مرحوم کے ذخیرہ علمی سے جناب قدرت اللہ فاطمی کی عنایت سے مولانا آزاد کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی دستیاب ہو گئی اور مع عکسی تحریر ارمغان آزاد (مرتبہ راقم الحروف) میں شامل ہے ذیل میں مولانا کے ان قطعات تاریخ نیز نایاب فارسی تقریظ کو نقل کیا جاتا ہے۔

مولانا آزاد ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ء) میں پیدا ہوئے، ۱۳۱۹ھ میں انہوں نے جب کہ ان کی عمر صرف ۱۴ سال کی تھی، یہ قطعات تاریخ اور تقریظ لکھی تھی اور ۱۳۲۰ھ میں تذکرہ صادقہ شائع ہوا تو اس میں یہ قطعات تاریخ تصنیف و طباعت شامل تھے۔

## قطعہ تاریخ تصنیف تذکرہ صادقہ

مژدہ اے والہان صادق پور | مژدہ اے عاشقان روئے وطن
حضرت مولوی عبد رحیم | صاحب علم و ماہر ہر فن
تذکرہ یہ انہوں نے لکھا ہے | جس کی تعریف میں زبان الکن
نقطہ نقطہ ہے خال روئے بتاں | صفحہ صفحہ بیاض صحن چمن
واقعات صحیح لکھے ہیں | جس میں کچھ بھی نہیں ہے جائے سخن
تذکرہ یہ وطن کا لکھا ہے | اس پہ شیدا ہیں عاشقان وطن
اس میں لکھا ہے حال صادق پور | جو کبھی تھا علوم کا گلشن
جو بزرگوں کا تھا کبھی ملجا | جو بزرگوں کا تھا کبھی مسکن
عالم و فاضل و ادیب و حکیم | الغرض کاملوں کا تھا مخزن
شمع بزم کمال کہیے انھیں | جن سے بیت العلوم تھا روشن
ان کو کہیے زر کمال اگر | اس کو کہیے کمال کا معدن
ہائے دیکھو یہ گردش دوراں | ہائے دیکھو زمانے کے یہ چلن
اک خزاں لوٹ لے گئی سب کچھ | اب نہ وہ پھول ہیں نہ وہ گلشن
ہاں فقط یادگار ہیں باقی | جن سے اب نام ان کا ہے روشن
میرے مخدوم حضرت رنجور | جن کی توصیف یعنی ناممکن
ان کا ارشاد تھا لکھو تاریخ | ان کا اصرار تھا کہ تعجیلا
تھی اسی فکر میں پریشانی | غور میں تھا کہ ناگہاں، فوراً
دل سے آزاد کو ملی تاریخ | ہے طراز زندہ ذکر اہل وطن
۱۳۱۹ھ

ولہ

اس رسالے سے کس کی ہو تعریف | واقعی فیض کا مقالہ ہے
ہے روایت ہے مستند اس کی | معتبر اس کا ہر حوالہ ہے
سر سے آزاد لکھ دو ہجری سال | خیر آفاق یہ رسالہ ہے
۱۳۱۹ھ

ولہ

## تاریخ طبع کتاب مذکور

چاپ کردند ایں کتاب لطیف | فکر شاں راصد آفریں بادا
از لب ہاتف ایں ندا آید | سرمۂ چشم ناظریں بادا
۱۳۲۰ھ

مذکورہ بالا قطعات تذکرہ صادقہ کے پہلے اڈیشن کے صفحہ ۲۷۳ – ۲۷۴ پر درج ہیں۔ اب جو تقریظ نقل کی جا رہی ہے وہ ارمغان آزاد میں پہلی بار شائع ہوئی ہے (صفحہ ۶۵ – ۶۸) اور اس کتاب کے صفحہ ۹۴، ۹۵ پر مولانا کی قلمی تحریر کا عکس بھی شامل ہے۔ اس تقریظ کے وہ اشعار جن پر نشان ○ بنا ہے بعض لفظی فرق کے ساتھ اس مثنوی میں بھی شامل ہیں جو مولانا نے جشن تاجپوشی کے مشاعرہ کے لئے لکھی تھی اور بانکی پور کی اشاعت ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء میں چھپی تھی (ارمغان آزاد صفحہ ۷۵ – ۶۹)۔

## تقریظ تذکرہ صادقہ

اے ساقی خوش خرام برخیز | ازمے بہ بہار گل چہ پرہیز
ابریکہ زکوہسار آمد | در موسم پر بہار آمد
کایام ربیع و نوبہار است | ایں وقت نشاط و وصل یار است
شادیم کہ ابرہم رسیدہ | بردوش ہوائے خوش پریدہ
وقتے است کہ دور ساغرے ○ | مطرب بدر آید از رف و نے
چوں نغمہ شور شور قلقل ○ | کاں سیر بود بہ صوت بلبل
از عشقیاں مترس گاہے | بر ابر محیط کن نگاہے
خنداں چو گل اند گل فروشاں | سرشار رحیق بادہ نوشاں
کن ے بے بہ ساغر | تا ایں لب خشک خود کنم تر

---



# مغرب خودکشی کر رہا ہے

## پروفیسر بوسانی سے انٹرویو

ممتاز عامر

اٹلی کے نامور مستشرق پروفیسر الیزاندرو بوسانی نے ۱۹۴۳ء میں یونیورسٹی آف روم سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ۱۹۵۷ء میں نیپلز کی اورینٹل یونیورسٹی میں فارسی زبان و ادب کے پروفیسر مقرر ہوئے جہاں وہ اردو، ہندی، انڈونیشی اور ملائیشی زبانوں کے شعبہ کے صدر رہے۔ آجکل یونیورسٹی آف روم میں "شعبہ اسلامی تعلیمات" کے صدر ہیں۔ انہیں اٹلی کے قدیم ترین علمی ادارے نیشنل اکیڈمی آف لینشی کی رکنیت کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ یہ اکیڈمی گلیلیو کے زمانے میں قائم ہوئی تھی۔ پروفیسر بوسانی بارہ سے زیادہ کتب اور سو سے زیادہ علمی مقالات کے مصنف ہیں ۱۹۲۹ء میں ان کا کیا ہوا اطالوی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مع حواشی شائع ہوا۔ علامہ اقبالؒ کے "جاوید نامہ" اور رباعیات عمر خیام کے تراجم کر چکے ہیں۔ انہوں نے ہسٹری آف پاکستان لٹریچر بھی لکھی ہے۔ ایوب خان کے زمانے میں حکومت پاکستان نے انہیں "ستارۂ امتیاز" کا اعزاز بخشا۔

سوال: مغربی فلسفے کا اپنا ایک نیا نظام اور تاریخی تسلسل ہے، جب کہ علامہ اقبالؒ کے افکار کی تفہیم کے لئے اسلام اور مشرق کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ کیا اس صورت میں فکر اقبال کی افادیت صرف مشرق تک محدود نہیں ہو جاتی؟

جواب: میں اس نظریے سے اتفاق نہیں کرتا۔ اگر آپ مغربی فکر اور تاریخی ارتقا کا جائزہ لیں، تو یہ بات کھل کر سامنے آجائیگی کہ اسلام سے اکتساب فیض کیے بغیر یورپ ترقی کی منازل طے نہ کر سکتا۔ میرے نزدیک اسلام کے بغیر مغربی تہذیب اور علوم کی تاریخ کا تسلسل قائم رکھنا ممکن نہیں۔ میں تو یہ کہونگا کہ قرون وسطیٰ میں اقوام مغرب مشرف بہ اسلام ہو جائیں، تو ان کی ترقی کی رفتار میں بے پناہ اضافہ ہوتا۔ ذرا اس پر تو غور کریں کہ جس زمانے میں یورپ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا، اسلامی مفکرین کائنات کی گتھیاں سلجھا رہے تھے۔ اسلامی تہذیب نہ ہوتی تو مغرب ترقی کی راہ پر گامزن نہ ہوتا میرے خیال میں ہمیں اقبالؒ کو صرف مشرق تک محدود نہیں کر دینا چاہیے۔ وہ مشرق اور مغرب دونوں کے لئے سرچشمہ فیض ہے۔ بیشتر اس نظریے سے یورپ والے بھی اتفاق نہیں کرتے، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

میں یہ وضاحت بھی کر دوں کہ آج مسلم اقوام خواب غفلت میں مبتلا ہیں مسلمان الحاد کے تاریک راستوں میں بھٹک گئے ہیں، لہٰذا آج مشرق اور مغرب دونوں کو اقبالؒ کی ضرورت ہے، تاکہ توحید کے مرکز پر انسانیت کو جمع کیا جائے۔ جہاں مغرب مذہب سے بیگانہ ہو چکا ہے وہاں مشرق رسوم و قیود میں گرفتار ہے۔ افراط اور تفریط کی یہ کیفیت ختم ہونی چاہیے، ورنہ دونوں تباہ ہو جائیں گے۔

سوال: کیا آپ اس تباہی سے بچنے کے لئے کوئی عملی صورت بتائیں گے؟

جواب: یہ مشکل سوال ہے، اس کے لئے توحید کی راہ اختیار کرنا ہوگی۔ "اللہ" سے رشتہ استوار کیے بغیر ان کی معاشرت برباد ہو جائے گی، جسے مغرب آزادی کہتا ہے وہ دراصل اس کی خودکشی ہے۔ یورپین کہتے ہیں، ہم آزاد ہیں: "ہم اپنے ضمیر کی آواز سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں، لیکن ایسا نہیں، وہ خود فریبی میں مبتلا ہیں۔" تین طرح کی بندگیاں ہو سکتی ہیں:-

خدا کی بندگی،
کسی آمر کی بندگی،
نفسانی خواہشات کی بندگی۔

یورپ تیسری قسم کی بندگی میں مبتلا ہے اگر ہم سب خدا کی بندگی اختیار کر لیں تو غلامی کی سبھی زنجیریں کٹ جائیں اور ہم حقیقی معنوں میں آزاد ہو جائیں۔

اسی طرح مشرق کے لوگ جو خدا کو مانتے تو ہیں، لیکن خرافات میں کھوئے ہوئے ہیں۔ وہ رسوم اور روایات کی پرستش کر رہے ہیں۔ صحیح راہ کی جستجو کے لئے اجتہاد کرنا ہوگا، میں یہاں غالب کا شعر پیش کروں گا ؎

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

ہم جن بندھنوں اور غلامیوں میں گرفتار ہیں، ان سے نجات حاصل کر لیں اور سچے موحد بن جائیں۔ تو آئیڈیل معاشرہ قائم کر سکتے ہیں۔

توحید سے میری مراد "اللہ" پر ایمان، عیسائیت کے "گاڈ" پر نہیں، کیونکہ خدا کا یہی تصور عقل پر مبنی ہے، جب کہ اللہ اور انسان کا رشتہ روحانی ہے، یورپ کو اللہ پر ایمان لانا ہوگا جو ارفع خودی (SUPREME EGO) ہے جو تصورات کی تمام حدوں سے آگے ہے۔

سوال: یورپی قومیں قوم پرستی اور نسلی افتخار کے زعم باطل میں مبتلا ہیں، رنگ و نسل کے یہ امتیازات عملاً ختم ہو سکتے ہیں؟

جواب: میں ذاتی طور پر وطنیت کے نظریے (NATIONALISM) کے خلاف ہوں۔ میں نے بچپن ہی سے کبھی اطالوی ہونے پر فخر نہیں کیا۔ میرے خیال میں جو لوگ نسلی افتخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ کوئی بڑا تخلیقی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتے۔ دانتے، گوئٹے اور فارسی کے شعراء نے عظیم تخلیقات ان زمانوں میں کیں، جب اٹلی، جرمنی اور ایران کی موجودہ واضح سرحدوں کا تعین نہ ہوا تھا۔ فارسی کے دانشوروں نے غیر ملکی تسلط کے دور میں کارنامے سرانجام دیے، کیونکہ ایسی صورت حال میں ایک آئیڈیل ان کے سامنے ہوتا تھا، وہ آئیڈیل تھا۔ "اسلامی سلطنت"، میری کیفیت یہ ہے کہ میں پاکستان میں اپنے لیے زیادہ مانوس ماحول پاتا ہوں، کیونکہ پاکستانی عوام میرے نظریات سے زیادہ قریب ہیں، لیکن جب یہی بات میں نے ایران میں کی تو ایرانیوں کو پسند نہ آئی، کیونکہ وہ مسلمان بعد میں اور ایرانی پہلے کہلانا چاہتے ہیں۔

سوال: یہ آئیڈیل باتیں ہیں، عام آدمی اپنے روزمرہ مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ کیا سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل کا حل ان سے زیادہ ضروری نہیں؟

جواب: یہ بات درست ہے۔ عام آدمی ہماری طرح نہیں سوچتا۔ میری بہن اٹلی میں ایک کالج میں فلسفہ پڑھاتی ہیں وہ بھی مجھے یہی کہتی ہیں کہ ہمیں زندگی کے عملی مسئلے حل کرنے چاہئیں۔ کسی سکول کا صحت و صفائی کا مسئلہ زیادہ اہم ہے، لیکن میرے نزدیک آئیڈیل کی اہمیت چھوٹے موٹے عملی مسائل سے زیادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اقتصادی مسئلے سے زیادہ انسانیت کی یکجہتی اہم ہے، کسی ایک خطے یا علاقے میں بعض مسائل حل کر لینے سے پوری انسانیت کو فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔ سویڈن کی مثال لے لیجئے۔ وہاں معاشرتی صورت حال آئیڈیل ہے۔ صحت، صفائی اور روزگار کے مسائل حل ہو چکے ہیں۔ لوگ آسودہ زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک طرح کی وہ جنت ارضی ہے، لیکن اس پر بھی غور کیجئے کہ بھارت میں لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ ہم سب کو اکٹھے نجات حاصل کرنی چاہیے یا مر جانا چاہیے، یوں تنہا چھوٹی سی جنت بسا لینے سے انسانیت کا کوئی بھلا نہ ہوگا۔

سوال: کیا یہ نظریہ اشتراکیت سے قریب تر نہ ہوگا؟

جواب: اشتراکیت کے حامیوں سے ایک تاریخی غلطی ہوئی ہے، اب اس پر پچھتا رہے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام کی برائیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہوں نے مذہب کو بھی دیس نکالا دیدیا۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بچہ ٹب کے گندے پانی میں پڑا ہو اور کوئی شخص ٹب سے گندے پانی کو نکالنے کے لئے پانی کے ساتھ بچے کو بھی پھینک دے، روس میں اقتصادی انقلاب آیا، ہر کسی کو روزگار ملا، لیکن معاشی مسئلہ حل کر لینے سے بھی مسائل حل نہیں ہو جاتے۔ اشتراکی معاشر

نے نفرت اور بے چینی کہیں زیادہ ہے، ورنہ روسی آج چینیوں کو بُرا بھلا کیوں کہتے؟ اور چینی روسیوں کو سامراجی قرار نہ دیتے۔ رمانیہ ہنگری دونوں اشتراکی ممالک ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اشتراکیت میں روپے پیسے کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے، لیکن طاقت کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ وہاں ایسی بیوروکریسی اپنا تسلط جماتی ہے جس کے پاس تمام اختیارات ہوتے ہیں۔ روس میں برزنیف کے بیٹے کو جو مراعات حاصل ہیں کیا وہ کسی عام لڑکے کو میسر ہوں گی؟ اس کے ساتھ ہی اخلاقی مسئلہ بھی حل طلب ہے۔

روس میں لوگ جس چیز کی سب سے زیادہ کمی محسوس کرتے ہیں۔ وہ ہے روحانیت۔ وہاں لوگ روحانی خلا میں رہتے ہیں۔ میرے ایک روسی دوست نے مجھے کہا:

"آپ لوگ خوش قسمت ہیں آپ اس زندگی کے بعد بھی ایک زندگی کا تصور رکھتے ہیں"۔

مذہب میں موت کی بڑی اہمیت ہے۔ آخرت کا تصور انقلابی ہے۔

مذہب جو اخلاقی انقلاب لاتا ہے وہ زندگی کے روحانی اور مادی دونوں قسم کے مسائل حل کرتا ہے۔

سوال: ایسا اخلاقی انقلاب کہاں سے اٹھے گا؟

جواب: یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ جب سلطنت روما زوال پذیر تھی، کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس کے بطن سے نئی تہذیب جنم لینے والی ہے، ہم ایک بحرانی دور میں زندہ ہیں۔ کچھ نہ کچھ تو پردۂ غیب سے ظہور میں آئے گا۔ میرے خیال میں جب انسان چاند پر سیر کرنے جائے گا، شاید اسی لمحہ ایک نئے عہد کا آغاز ہو۔ میں رجائیت پسند ہوں، اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہ عملاً مستقبل کا نقشہ کیا ہوگا، پھر بھی آنے والے وقت کے بارے میں پرامید ضرور ہوں۔

سوال: اپنے ملک کی سیاسی صورت حال کے بارے میں بتائیے؟

جواب: اٹلی میں مکمل سیاسی آزادی ہے اور نظام حکومت جمہوری پارلیمانی ہے، لیکن کسی سیاسی جماعت کو قطعی اکثریت حاصل نہ ہونے کے سبب حکومت کمزور رہتی ہے۔ آجکل کرسچین ڈیموکریٹ پارٹی کے پاس اقتدار ہے، لیکن مخالفین چاہیں تو کسی وقت برسر اقتدار جماعت کے پاؤں اکھاڑ دیں، البتہ وہ ایسا نہیں کرتے۔ ہمارا ملک شدید اقتصادی مسائل اور بحران کا شکار ہونے کی وجہ اس قسم کی سیاسی عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ آپ حیران ہوں گے کہ بعض ارکان پارلیمنٹ ہی اپنے ووٹ کا استعمال نہیں کرتے تاکہ کمزور ہی سہی

اکثریت سے حکومت بن جائے۔

سوال: آپ کے ہاں نوجوان نسل کی ذہنی اور اخلاقی حالت کیسی ہے؟

جواب: اٹلی کی نئی نسل ہم سے زیادہ ذہین اور اچھی ہے نوجوانوں کی سوچ حقیقت پسندانہ ہے۔ وہ خواب و خیال کی دنیا میں گم نہیں رہتے بلکہ کسی نئی کائنات کی جستجو کرتے ہیں، البتہ کوئی واضح آئیڈیل ان کے سامنے نہیں، لہٰذا وہ مایوسی سے دوچار ہوجاتے ہیں۔ ان میں منافقت نہیں، اس لحاظ سے وہ ہم سے اخلاقی طور پر بہتر ہیں۔ ہمارے ہاں تعلیم کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے۔ روم یونیورسٹی دس ہزار طلبہ کے لئے بنی تھی، لیکن اب طلبہ کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ عمارتوں اور وسائل میں اضافہ نہ ہونے کے سبب مشکلات بے پناہ ہیں سال بھر ہڑتالوں کی وجہ سے یونیورسٹی بند رہتی ہے۔ اس کے باوجود نوجوان اپنی ذہانت اور محنت کے بل پر کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

سوال: ادب اور فن کے میدانوں میں جدید رجحانات کیا ہیں؟

جواب: ہمارا پرانا علمی اور ادبی ورثہ کلاسیکل لٹریچر میں ہے۔ نیا ادب اور آرٹ سوشلسٹ نظریات کے سائے میں پروان چڑھ رہا ہے۔ اس میں حقیقت پسندی کی طرف جھکاؤ ملتا ہے، جدید فن تعمیر میں ہم امریکہ سے متاثر ہیں سب سے بڑے مصور گوتوسو (GUTTUSO) کمیونسٹ ہیں۔ بڑے ادیب البرٹو موراویا بھی سوشلسٹ نظریات سے متاثر ہیں۔ اس کے علاوہ پاسولینی (PASOLINI) اور بوزاتی (BUZZATI) قابل ذکر ادیب ہیں۔ مونتالے (MONTALE) نوبل پرائز یافتہ شاعر سوشلسٹ نہیں۔

سوال: آپ کے ہاں اسلامی تعلیمات پر گہری نظر رکھنے والے ادبی اسکالرز ہیں؟

جواب: بس گنے چنے لوگ ہیں مغرب میں محقق لوگ چیزوں کا پوسٹ مارٹم کرکے دیکھتے ہیں۔ مشرقی شاعری اور مذاہب کے مطالعے میں بھی وہ اسی طریقے پر عمل کرتے ہیں مگر اس طرح وہ مشرقی علوم و فنون کا سائنسی تجزیہ تو کر لیتے ہیں، ان کی روح تک ان کی رسائی نہیں ہوتی۔ میرے شاگردوں میں چند ایک اسلامی تعلیمات سے متاثر ہیں، وہ خاصا ٹھوس علمی کام کر رہے ہیں۔

سوال: کیا اقبال کے پیغام کو صورت پذیر کرنے کی ساری ذمہ داری پاکستان پر عائد ہوتی ہے؟

جواب: نہیں، اقبال کی فکر کو عملاً آگے بڑھانا پوری انسانیت کا فرض ہے

لیکن آپ کے ہاں وہ پیدا ہوئے، لہٰذا آپ کی ذمہ داری دوسروں سے زیادہ ہے پھر پیدائشی مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی آپ کو موحد ہونا چاہئے۔ اپنی ریاست کو "اسلامی جمہوریہ" کا نام دے دینا کوئی معمولی بات نہیں آپ نے ایک عظیم ذمہ داری قبول کی ہے، اسے اب نبھانا چاہیے۔

میرے خیال میں پاکستان ایک عام شہری کی اخلاقی حیثیت دوسرے اسلامی ممالک کے شہریوں سے بہت بہتر ہے۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ آپ کے ہاں متوسط خاندان اخلاقی لحاظ سے قابل تعریف ہیں۔ آپ کے نوجوانوں میں بزرگوں کے لئے احترام کا جذبہ ابھی باقی ہے، آپ ان بنیادوں پر مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

سوال: یورپ میں لوگ پاکستان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟

جواب: یورپ میں لوگ پاکستان کے بارے میں صحیح معلومات نہیں رکھتے۔ اس میں آپ کے سفارت کاروں کا قصور ہے۔ بھارت کا ذکر آئے تو لوگوں کے ذہن میں فوراً یہ بات آتی ہے کہ وہ ایک سیکولر ملک ہے لیکن

پاکستان کی نظریاتی حیثیت سے یورپ آگاہ نہیں۔ وہ اسے ایک مذہبی ملک سمجھتے ہیں وہ مذہب اور دین کا فرق نہیں جانتے۔ اسلام دین مکمل ہے۔ جس کے پاس مکمل ضابطۂ حیات ہے، جب کہ یورپ میں دین کا یہ تصور معروف نہیں، وہاں لوگ اسلام کو "مذہب" سمجھتے ہیں اور مذہب کو اہل یورپ انسان کا محض ذاتی معاملہ کہتے ہیں، یورپ میں ہندو مذہب اور فلسفے کے بارے میں بھی ابہام پایا جاتا ہے، میرے نزدیک ہندو مذہب ایک فرسودہ چیز ہے، جب کہ مغربی لوگوں میں ہندوؤں کا جو امیج بنایا گیا ہے اس کی بدولت وہاں بھارت میں ہر آدمی کو گاندھی اور رابندر ناتھ خیال کیا جاتا ہے۔

سوال: اقبال کانگریس سے آپ مطمئن ہوئے؟

جواب: کانگریس کا انتظام بہت اچھا تھا، لیکن زیادہ تر مقالات سائنسی قسم کے تھے جن میں علمی، فکری گہرائی مفقود تھی۔

## بقیہ صفحہ ۱۰ تبرکات آزاد

| | |
|---|---|
| از بادہ معرفت بدہ جام | ناکارِ خرد شود بانجام |
| گل جام بکف در انتظارت | مل آں کہ غم رود بغارت |
| گر بادۂ ناب نیست ساقی | از بادہ علم کن تلافی |
| آں علم کہ واں شود منور | این سینۂ عالمانِ بر ترلہ |
| آں عبد رحیم اہلِ عرفاں | آں شمع فروز بزم ایماں |
| دیں پرور و پیر و شارع | ہر ہر قدمش بہ شرع راسخ |
| کیفیت شاں بہ در منشور | بہ خوبی و حسن گرد مذکور |
| احوال خدا رسیدگاں ست | حرفش ز سواد نور جانست |
| مہریست کہ بے زوال آمد | ماہیست کہ باکمال آمد |
| آں را کہ سرے بہ نکتہ دانی است | داند کہ چہ ریزش معانی ست |
| باشد بہ کف خرد پسنداں | چوں ساغرے بدست رنداں |
| یارب بہ طفیل بے نیازی | وز صدقہ آں شہ حجازی |

"ایں نامہ کہ خامہ کرد بنیاد
توقیع قبول روز بیش باد"[2]

[1] یہ شعر لکھ کر مولانا نے خود کاٹ دیا ہے۔ [2] یہ شعر امیر خسرو دہلوی کا ہے۔

## اطلاع عام

مندرجہ ذیل خریدار حضرات کی رقوم عرصہ سے دفتر میں آئی ہوئی ہیں، مگر پتہ نامکمل ہونے کی وجہ سے دشواری پیش آرہی ہے۔ براہ کرم اپنا پورا پتہ مع حوالہ خریداری جلد ارسال فرمائیں تاکہ صحیح اندراج ہو سکے۔

(۱) سید نور ابراہیم صاحب احمد آباد (۲) محمد لیٰسین ابن حبیب اللہ صاحب فروز پورہ گجرات۔ (۳) محمد عبدالقیوم ندوی مالدہ بنگال۔ (۴) جاوید صاحب کھجور ار۔

(منیجر)



# مکاتیب

حضرت مولانا

## شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

بنام

## مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

از نظام الدین

مکرم محترم بندہ حضرت اقدس جناب سید صاحب متعنا اللہ بانفاسکم الطیبۃ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کئی روز ہوئے گرامی نامہ سامی عزت بخش اور نفحات طیبہ روائح مانوسہ کے ساتھ عزت افزا ہوا تھا، فی الحقیقت تو اپنا ضعف اور غفلت اور عدم تیقظ سبب تاخیر جواب ہوا، اور بہانہ اور تسویل کے طور پر معروفیت اور مشاغل سبب تاخیر ہوئے بہرحال جس مذہب کے لئے ہزار جانوں کا طیب خاطر سے پیش کر دینا اسکی قیمت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا، اور جس مذہب کی اصلی قیمت سوزش جگر اور خون دیدہ بہانا تھا اس کے لئے بے مایہ برائے نام قدموں کا اٹھانا اور اس قدر ضعیف اور کم مقدار اپنی محنتوں کا وابستہ رکھنا اصلی فریضہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتا، لیکن خدائے پاک کی ذرہ نوازی اور مراحم خسروانہ اور آخر زمانہ والوں کے لئے ان کی مساعی پر صحابہ کے پچاس کے برابر اجر و ثواب ملنے کی خوش خبریاں اور سچے وعدہ اور "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" کی جیسی بشارتیں ہماری ان سعیوں کے بارہ میں بڑی بڑی امیدیں دلاتی ہیں، میرے حضرات! آپ صاحبوں کے سامنے لب کشائی کسی طرح گستاخی اور جرأت سے خالی نہیں، لیکن نہ اس وجہ سے کہ ان امور حقہ کی میرے پاس رعایت اور آپکے پاس رعایت نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ آپ جیسے اس کا ارادہ فرما دیں گے تو اس کو گزریں گے بوجہ اپنی خوبی، طبع اور خوبی استعداد اور حق کے ساتھ حقیقی تناسب کے آپ اس کی قدر کے اہل ہیں۔ ایک کام کی بات ایک اہل کی طرف پہنچنے کی نیت سے یہ خام آستانہ عرض پرداز ہے کہ میرے حضرت! انسان ایک بحر عمیق ہے۔ یہ دنیا میں قاعدہ ہے

کہ ایک آدمی دوسرے سے سبق لیتا ہے، لہٰذا جس سے سبق لے رہا ہے کسی چیز کی رغبت اور اس کا اثر اتنے ہی حصے میں لے گا کہ جتنے حصے میں اس اصل کے اندر اثر کئے ہوئے ہے، میرا مقصد اس معروض سے یہ ہے کہ نکلنے کے زمانہ میں ظاہر عبادات میں (جس میں سب سے اعلیٰ طلب علم اور اشتغال فی الذکر ہے) اپنے قلب کی کیفیت پر زیادہ نگرانی کی ضرورت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "التقوی ھھنا"۔ لہٰذا ان چیزوں کے قیامت میں کام دینے کے قائل ہیں یا نہیں جن مدار خشیت کے ساتھ ان امور کے قیامت میں کام دینے کے یقین اور ایمان کے بقدر وابستہ ہے لہٰذا اس مجموعہ میں مشغول رہنے کی سعی کو بہت زیادہ لازمی سمجھا جائے، تعلم اور تعلیم کے لئے بندۂ ناچیز کی رائے میں مبلغین اور اکثر تبلیغ میں امور ذیل کی کتابوں کا رچ جانا بہت ضروری ہے جزاء الاعمال، رسالہ تبلیغ، چہل حدیث شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب جو قرآن کے بارے میں ہیں۔ فضائل نماز، فضائل ذکر، حکایات صحابہ، ان سب کتب کو اصل بطور متن ٹھہرا کر ان ہی مضامین کی اور کتب سے تکمیل کی جائے تو اور بہتر ہے۔ حق تعالیٰ سہل فرما دیں اور قبول فرما دیں، ان مضامین کے ذریعہ جذبات کو پرواز دینے کے ماتحت دو یم درجہ میں پھر مسائل کو ساتھ ساتھ ضم کر دینا چاہیے۔ حسب ضرورت ہر جگہ کے، سید رضا حسن صاحب پندرہ روز سے تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے ہوئے ہیں، ابتداً تو میرے ساتھ ہوئی تھی لیکن میں ہفتہ کو جا کر پیر کو واپس آچکا تھا، موصوف اس وقت سے اب تک تبلیغ کے واسطے ہمت کے ساتھ گشت فرما رہے ہیں اللہ قبول فرما دیں اور مبارک فرما دیں ان کے حاضر ہونے پر آپ کا پیغام عرض کیا جاوے گا۔ اس وقت کوئی خاص مضمون خدمت میں عرض کرنے کے واسطے میرے ذہن میں نہیں ہے، باقی اتنا ضرور ہے کہ بندۂ ناچیز کے ذہن میں یہ نقشہ ہے کہ جس طرح انگریزی سلطنت کے فوجی فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں، دنیاوی حیثیت کے لئے اللہ کی سنت حقیقی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ان کے اس طرح مذہب کے لئے کوششوں میں لگ جانے کے ساتھ وابستہ ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

۶ محرم بروز دوشنبہ

از سنگ آستانۂ عزیزی واحمدی

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

لسلالۂ خاندان نبوت جوہر تاباں معدن سیادت جناب سید صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ایک اپنے خاندان کے ذرۂ بے مقدار خادم سے اپنے ذاتی جوہر اور حسن ظن کے سرمایہ کی بدولت کیسی خدمت وابستہ فرمادی، یہ بندۂ ناچیز نہ اس کا اہل ہے اور نہ بندہ کو مضامین پر دسترس ہے، لیکن عادۃ اللہ یہ جاری ہے "انا عند ظن عبدی بی"، آپ جیسے حضرات کے حسن ظن کا بھی اثر ہوگا اور نتیجہ ہوگا کہ جو فیاض ازلی سے کچھ نصیب ہو جاوے گا۔ مومنین کا باہمی حسن ظن ایک عجیب سرمایہ ہے اور حق تعالیٰ کے جود و سخا کے دہانے کھولنے کے لئے بہترین مفاتیح میں کی مفتاح رحمت ہے، اللہ آپ کی جوتیوں کی بدولت مجھے اور میرے سب دوستوں کو اس گرانمایہ دولت سے متمتع اور سرفراز فرمادیں اور مایہ دار فرمادیں، میرے قابل قدر اور مخدوم بزرگ! نہایت غور کرنے کی چیز ہے کہ یہ ترددات دنیا دیہ کی اصل کیا ہے اور یہ مادہ کہاں سے اٹھتا ہے، اس پر غور کیا جاوے گا تو اس کا سراغ بہت بڑی جگہ کنکشن کا پتہ دے گا۔ یعنی یہ چیزیں غفلت کی بناء پر اپنے سرمایہ دھیان کو بے جگہ وابستہ کرنے کے ظلم کی وجہ سے ان ترددات کی بدلیاں اور ہوائیں اٹھتی ہیں لیکن واہ رے ہمارے مربیٔ اعظم جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے رب اکبر جل جلالہ عم نوالہ کہ ان ترددات پر جب کہ ان کا کنکشن ایسا گندا ہے بجائے وعید اور ان ترددات پر گرفت کرنے کے کس قدر حکمت اور موعظۂ حسنہ سے ہمیں ان کا علاج بتاتے ہیں "ان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ الخ" یہ تو علاج بتلایا، لیکن اپنی کریمی اور جواد بارگاہ سے باوجود ہمارے ان ترددات کے گناہ ہونے کے (چونکہ ان کا منشاء غفلت ہے اس لئے یہ گناہ ہوا، اور جس پر قرآن پاک کی آیات میں جا بجا متنبہ رکھا ہے فرمار کھا ہے۔ "وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم" الخ وغیرہ وغیرہ) اس کے اوپر استقلال سے امور شریعت کے دھیان میں لگ جانے اور استغفار کرتے رہنے پر ان ترددات کے علاج کا بھی وعدہ فرمایا اور قیامت میں اجر جزیل کا بھی وعدہ فرمایا "اولئک علیھم صلوات من ربھم" الخ میری معروض کا خلاصہ یہ ہے

کہ بندۂ ناچیز کی نظر میں انسان دو باتوں کا خیال کرے اول یہ کہ یہ سب اپنی غفلت اور کوتاہی کی بناء پر پیش آرہی ہیں، جس کی بناء پر کثرت سے استغفار کرے، نیز باوجود اس کے چونکہ حق تعالیٰ کا اصول ہے۔ "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا"، چونکہ اس کے وجوہ کا معلوم کرنا اس کی وسعت سے زائد تھا، اس لئے اس کی گرفت تو نہیں کی اور اس پر صبر کرنے اور اللہ سے اجر و ثواب کی امید رکھنے کی صورت میں ایسے ایسے درجات اور ایسی ایسی عطاؤں کے پکے وعدے حدیث و قرآن میں بھرے پڑے ہیں کہ جن کا احصا دشوار ہے غرض یہ ہے کہ ایک تو اس میں علاج کی ضرورت ہے وہ تو "ان فی اللہ عزاء" ہے اور میرے نزدیک وہ فی اللہ جو ہے وہ تبلیغ کے اندر دلبستگی اور شوق کے ساتھ لگ جانا ہے، تبلیغ میں بہت وجوہ سے اللہ کے تقرب اور نسبت یادداشت کے پیدا ہونے کے ایسے قوی اسباب جمع ہیں کہ اگر قدر داں اس میں جانبازی اور سر فروشی کریں، تو ہزاروں جان اور سر اس کی قیمت میں ارزاں ہیں، اور دوسرے خود ان ترددات میں حق تعالیٰ سے اجر و ثواب کی کامل امید رکھیں، بلا تردد کامل یقین کے ساتھ تو ان ترددات کی تکالیف اپنے معاوضہ کے مقابلہ میں (جو انشاء اللہ ضرور ملے گا) قابل دھیان نہ رہیں گی، یہ بندۂ ناچیز جناب کے خاندان کے عموماً اور جناب کی والدہ اور بھائی بہنوں کے لئے خصوصاً دعا گو ہے اور دعا جو ہے، میری طرف سے بھی سب سے درخواست دعا فرمائیں، جناب کی تشریف آوری کا شرہ دین رویا کو تر و تازہ کر رہا ہے حق تعالیٰ ہمیں آپ کی ذات گرامی سے دارین میں منتفع فرمادیں، یہ دونوں صاحب جو تبلیغ کے لئے گئے تھے ان کے لئے اور میرے لئے بڑا سرمایہ یہ ہے کہ آپ بزرگوں کی تازگی قلب کا سبب ہوا۔ اللہ تعالیٰ بابرکت اور دارین میں نفع بخش فرمادیں اور پھولنے اور پھلنے والا فرمادیں۔ مجھے بڑا قلق ہوا کہ وہ مولانا عبد الشکور صاحب سے مل کر نہ آئے اگلی دفعہ خدا کرے کہ کوئی ایسا موقع ہو تو بہتر مشورہ میں طے ہو جائے لکھنؤ میں جتنی جگہ اپنے احباب کی ہیں ان سب جگہوں میں تحریک کے سراغ کو تتبع کرنا چاہئے ممکن ہو تو دریغ نہ کرنا چاہیے

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

# القرآن الحکیم

مفتون کوٹوی، ہرن بازار، املی چوک، کوٹہ (راجستھان)

کون قرآن؟ وہ کتاب دلپذیر / کچھ نہیں جس میں مجالِ دم زدن
وہ حقیقت اور صداقت کی کتاب / جس کو چھو سکتے نہیں تخمین و ظن
ایک دستورِ بقائے خوش گوار / ایک دریائے حیات موجزن
جس کا ہر فقرہ، بہ اسلوبِ نکو / جس کا ہر جملہ بہ اندازِ حسن
جس کے ہر اک لفظ میں بحرِ وسیع / جس کے ہر اک حرف میں دریائے فن
جس کے ہر نقطہ میں سر افرازیاں / سرنگوں ہے گنبدِ چرخِ کہن
جس کی دوری، ذلتِ قلب و نظر / جس کی قربت، عظمتِ روح و بدن
جس کی تہدیدیں جہنم درکنار / جس کے مژدوں میں بہار افزا چمن
جس میں افشا، سرِ تسخیرِ حیات / جس میں ظاہر، رازِ فتحِ روح و تن
جس میں تلواروں کی جھنکاریں بھی ہیں / طائرانِ خوش گلو بھی نغمہ زن
دعوتِ تخلیقِ فضائے صلح و خیر / حکمِ استیصالِ اشرار و فتن
رازہائے اقتدار والدین / طرزہائے دلبریٔ مرد و زن
امر بالمعروف کا آئینہ دار / نہی منکر کا بھی زندہ آرگن
کون قرآن؟ انبساطِ اہلِ دل / کون قرآن؟ احتظاظِ اہلِ فن
ہوگئے صحرا نشینانِ عرب / جس کے باعث مالکِ نخل و چمن
قبضۂ مسلم میں جس سے آگئے / روم و شام و فارس و مصر و عدن
خنجرِ درویش و شاہانِ عجم / دستِ خرقہ پوش و اطلس پیرہن
حسنِ اخلاق و حریفانِ شدید / راست کاری و گروہِ نیش زن
کیا تھا یہ؟ تعلیمِ قرآں کا طفیل / جھک گئے تھے تیغ باز و پیل تن
کون قرآن؟ دینِ حق دینِ خدا / روحِ شرعِ مصطفائے ذوالمنن
بہرِ اعمالِ مسلماں نکتہ گیر / بہرِ راہِ دین و دنیا ضو فگن
جس سے مسلم دور ہو سکتا نہیں / کس طرح چھٹ جائے سورج سے کرن
ہے مسلماں فتح یابِ کائنات / جس کے باعث صلح جو و تیغ زن
اے مرے دمساز و ہمراز و رفیق / "گر تو ہم خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن"

تعمیر حیات میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔
(منیجر)


# جناب ماہر القادری مرحوم

زیر نظر شمارہ مرتب ہو چکا تھا کہ ریڈیو پاکستان سے معلوم ہوا کہ مشہور اسلامی الفکر شاعر، صحافی، صاحب قلم جناب ماہر القادری انتقال فرماگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ماہر القادری کی اسلامی حمیت، دینی غیرت اور صالح افکار کا ہر اس شخص کو اعتراف ہوگا جس کی نظر سے ان کی تحریریں گذرتی رہی، ماہنامہ "فاران" کے ذریعہ مرحوم نے دین و ادب کی خدمت، معاشرہ کی اصلاح، اسلامی شریعت کے نفاذ، اور اقتدار کے احتساب اور صحیح مشورے کا جو فریضہ انجام دیا، وہ ناقابل فراموش ہے، ماہر صاحب ایک شاعر کی حیثیت سے ابھرے، مختلف ادوار سے گذرے لیکن کسی دور میں بھی دین و اخلاق سے بے نیازی اور اباحیت و آزادی کے پرچار کی تہمت سے انکا دامن آلودہ نہیں ہوا۔

پاکستان کے قیام کے بعد اس نئی مملکت منتقل ہوگئے اور زندگی کی آخری سانس تک اسلام کے نام پر حاصل کئے ہوئے اس ملک میں اسلام کے غلبہ کی کوشش کرنے والوں کی صفِ اول میں ان کا شمار ہوتا رہا، ندوۃ العلماء، اس کے فکر و تخیل اور مقاصد نیز فضلائے ندوہ جن میں مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبد الباری ندویؒ اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی سے مرحوم کو قلبی تعلق تھا۔

اردو زبان و ادب کے اداشناس، دین کے خادم اس مخلص انسان کو اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

# نعت

از: ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی

اللہ رے یہ مرتبت شانِ محمدؐ / قرآن میں خالق ہے ثنا خوانِ محمدؐ
آگاہ کیا لذتِ توحید سے ہم کو / اللہ کے بندو یہ ہے احسانِ محمدؐ
ہر دور کے چنگیز رہے درپۂ تخریب / سرسبز رہا پھر بھی گلستانِ محمدؐ
تقویٰ ہی ہے اسلام میں معیارِ فضیلت / ہے آج بھی محفوظ یہ اعلانِ محمدؐ
ہر زائرِ طیبہ کو شفاعت کا ہے وعدہ / سچا بھی ہے برحق بھی ہے پیمانِ محمدؐ
حق گوئی و خودداری و توحید و امانت / ہر چیز میں یکتا ہیں غلامانِ محمدؐ
ہو قائلِ توحید تو اپنا ہے یہ ایماں / ناجی ہے بہر حال ثنا خوانِ محمدؐ
مومن ہی سمجھ سکتا ہے کچھ شانِ نبوت / اغیار کو ممکن نہیں عرفانِ محمدؐ
بے اس کے نجاتِ ابدی مل نہیں سکتی / ہشیار ہو اے منکرِ فیضانِ محمدؐ
دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو یہی اپنی دعا ہے / چھوٹے نہ کبھی ہاتھ سے دامانِ محمدؐ
ہے اور مرے پاس طفیل اس کے سوا کیا
میں اور مری جان ہو قربانِ محمدؐ


دیوبند سے عربی کے مراسلاتی کورس کا اجراء
خط و کتابت کے ذریعہ جدید عربی سیکھئے
سکریٹری عربک ٹیچنگ سنٹر، لال مسجد اسٹریٹ دیوبند




# غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ کی اہمیت و ضرورت

از: مولانا عبد الملک صاحب جامعی مہاجر مکی

(حضرت مولانا محمد عبد الملک جامعی مہاجر مدنی مراد آبادی، مولانا محمد علی جوہرؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے تعلق والوں میں سے ہیں۔ 274 پوسٹ بکس مدینہ منورہ۔ یہ مضمون انہوں نے کسی خاص کیفیت و حالت میں تحریر فرمایا ہے، بہرحال مدینہ پاک کی پرنور فضاؤں سے چل کر یہ آپ کے پاس پہنچ رہا ہے۔

خادم (افتخار فریدی سنبھلی گیٹ مراد آباد)

ابھی کل پرسوں ایک بڑے عالی قدر مقرر کو یہ بیان کرتے سُنا، اور اس سے بڑی تکلیف ہوئی فرمایا، "آپ کسی معزز مہمان کو اپنے گھر لائیں اور گھر میں بھرا ہوا ہے ہر جگہ پیشاب پاخانہ، ہر طرف کوڑا اور ہر طرف بدبو، ایسی حالت میں مہمان کیا کہے گا؟ اس لئے پہلے اپنا گھر صاف کرنا چاہیے، پھر لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینی چاہیے" گویا اشاعت اسلام کو موخر اور موجل کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ سب مسلمان سچے مسلمان بن جائیں۔ بہت عجیب منطق ہے جو آجتک چودہ سو سال میں کبھی سُنی گئی نہ دیکھی گئی۔ میں پوچھتا ہوں مسلمانوں کی سو فیصد تعداد کب صالح اور متقی رہی؟ حجاج کے زمانہ میں ہزاروں مومنین صادقین کو قتل کیا گیا، منصور اور سفاح کیسی خونریزی کے بعد تخت پر جلوہ فرما ہوئے تھے، مامون کے زمانہ میں خلق قرآن کا فتنہ اٹھا، مستعصم کے زمانہ میں جب بقول مولانا ابو الکلام آزاد حنفیوں نے شافعیوں اور شیعوں نے سنیوں کی ضد میں آکر ہلاکو کو حملہ کی دعوت دی تھی، سو فیصد صالح معاشرہ تبلیغ و دعوت کے لئے شرط نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے ہر زمانہ میں غیروں تک تبلیغ اسلام کا کام کیا۔

مجاہد کبیر، مفسر عظیم، متقی بے مثال مولانا احمد علی لاہوریؒ جمعیۃ علماء کی ایک ہزار شاخوں کے صدر ایک نومسلم باپ کے بیٹے تھے یہی بزرگ ہیں جن کی قبر مبارک سے چھ ۶ ماہ تک عطر کی حیران کن خوشبوئیں آتی رہیں۔ ان کے مرشد سیاسی مولانا عبید اللہ سندھی، حضرت شیخ الہندؒ نے ان کو ممالک خارجہ میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا، اور انہوں نے کابل میں آزاد ہندوستان کی حکومت موقتہ کی بنیاد ڈالی وہ کسی نومسلم کے بیٹے نہیں بلکہ خود ہی نومسلم تھے۔

شیخ محمد یوسف سیٹھی بھی نومسلم باپ کے بیٹے تھے، جنہوں نے قرآن مجید کے مدارس کا بیڑا اٹھایا جس میں آج ایک لاکھ سے زائد طلباء پاکستان میں اور کم و بیش پچاس ہزار عربستان میں قرآن مجید حفظ کر رہے ہیں۔ حجاز مقدس میں حفظ قرآن ترک ہو چکا تھا، رمضان میں تراویح المعتز کیف سے ہوتی تھی یا قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے، یہ اس شخص کا جوش و جنون تھا کہ آج سیکڑوں عورتیں قرآن کی حافظہ ہو گئی ہیں۔

صرف مکہ مکرمہ کی دو سو مسجدوں میں تراویح باقاعدہ قرآن پاک کے ساتھ ہوتی ہے مملکت سعودیہ کے دوسرے شہر اس کے علاوہ ہیں خود تبلیغ میں حاجی عبد الرحمٰن نومسلم تھے میں کہا کرتا ہوں کہ مولانا الیاس صاحبؒ تبلیغ کے باپ تھے تو حاجی صاحب اس کی ماں تھے، جاننے والے جانتے ہیں کہ کس کس طرح انہوں نے اس کام کی پرورش کی، علاوہ ازیں ایک ہزار چار سو آدمیوں کو مسلمان کیا اور یہ ایک ہزار چار سو بھی ایسے کہ ہر شخص ایک نور ہدایت بن گیا۔

ریشمی رومال کی تحریک میں ایک بہت سرگرم بزرگ ہیں عبد الرحیم، یہ اچاریہ کرپلانی کے بھائی تھے محمد مارما ڈیوک پکتھال کا اسلام بھی اسی زمانہ کی بات ہے، یہ پہلا آدمی ہے جس نے انگریزی میں قرآن کا ایسا ترجمہ کیا جسکو عالم اسلام کی تصدیق حاصل ہوئی، اسلامی معاشرت کا ایسا حامی تھا کہ کوٹ پتلون سے اس کو گھن آتی تھی۔ علامہ شبلی کہ محض الفاروق اور سیرت النبیؐ ان کا تنہا عالمگیر کارنامہ نہیں ہے بلکہ دار المصنفین اور ندوۃ العلماء ان کی یادگار ہیں، نومسلم خاندان کے فرد تھے اور خود بابائے اردو مولوی عبد الحق جو اردو زبان کی ترقی کے پردہ میں ساری عمر اسلام کا کام کرتے رہے، نومسلم باپ دادوں کے بیٹے تھے ذرا پیچھے چلیں تو شاعر مشرق اور شاعر اسلام ڈاکٹر اقبال بھی نومسلم کشمیری ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو کی گوت یعنی سپرو خاندان کے آدمی اسی لئے ان سے بہت ملا کرتے تھے، یہی اقبال ہے جو کہا کرتا تھا:

"یورپ سے جو چیز آتی ہے اس میں ایک زہر شامل ہوتا ہے، مگر لوگ نہیں جانتے" اور یہی وہ آدمی ہے کہ مجلس میں کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لیا تو فوراً پوچھا: "تمہارا وضو ہے؟" اس کے راوی ہیں شورش کاشمیری میں نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی، بعید نہیں خود شورش بھی نومسلم خاندان سے ہوں۔

میں مدراس میں تھا ایک بوڑھے آدمی کو بے مصرف سا آدمی جان کر تبلیغ میں نکلنے کی دعوت دی، کہنے لگا "میں جایا کرتا ہوں"، میں نے کہا کہ محال، اس لئے کہ ہماری تبلیغ کا تو ابھی یہاں کسی نے نام بھی نہیں سنا ہے، اس نے جواب دیا "نہیں نہیں میں جاتا ہوں، اور الحمد للہ اب تک ۶۰۰ سو آدمی مسلمان ہو چکے ہیں" قدرتاً اس سے دلچسپی پیدا ہوئی، مزید حال پوچھا تو معلوم ہوا خود بھی نومسلم ہیں (حق یہ ہے کہ نومسلم میں ایک قدرتی جوش ہوتا ہے، اس کے ایمان کی حقیقت ہمارے ایمان سے جدا ہوتی ہے، وہی فرق جو تازہ اور باسی پھولوں میں ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہر وقت نئے خون کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

پھر انہوں نے اپنی کہانی سنائی "میں اسکول میں پڑھتا تھا، ایک دن پنڈت جی سے خدا پر بات نکل آئی، جواب سے دل مطمئن نہیں ہوا، اسکول چھوڑ دیا، عیسائی اسکول میں داخل ہو گیا، یہاں بھی ایک مسئلہ نکل آیا میں نے کہا، "جب آدمؑ خدا کے بیٹے نہیں ہیں تو عیسیٰؑ کیسے ہوگئے، عیسیٰؑ کی ماں تو تھیں، آدمؑ کے تو ماں ہے نہ باپ، وہ زیادہ مستحق ہیں" جواب ملا، "چپ رہو، چلو ایسے جیسے ہم چلتے ہیں" انہوں نے کہا "مجھ سے تو نہیں چلا جاتا"، اس کے بعد اسٹرائک، بھوک ہڑتال شروع کر دی، بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے، لوگوں نے ہزار سمجھایا مگر اسٹرائک نہیں توڑی، مدراس میں ایک آل انڈیا اجلاس ہونے والا تھا لارڈ بشپ اس میں آنے والے تھے، طے پایا کہ مسئلہ ان کے سامنے رکھ دیں گے، ان سے کہا گیا، ان کو بلایا گیا، تنہائی میں لارڈ بشپ نے پہلے تو ان کا روزہ کھلوایا اور اطمینان دلایا کہ میں تمہیں جواب دوں گا، افطار کے بعد پوچھا "تمہارا کیا سوال ہے" انہوں نے اب اپنا سوال بدل دیا اور کہا "نجات کس چیز میں ہے؟" بشپ صاحب نے فوراً جواب دیا "لا الٰہ الا اللہ" میں، انہوں نے کہا تو آپ مسلمان کیوں نہیں ہوتے؟ اس نے کہا: تم دیکھتے ہو کہ کروڑوں روپیہ تو میرے قدم چومتے ہیں اور کروڑوں روپیہ ملتا ہے، اس سب کو کیسے چھوڑ دوں؟ مگر تم چلو میں آیا۔"

اس کے بعد یہ تو مسلمان ہو گئے اور بشپ کا کچھ پتہ نہیں، ایک مدت کے بعد کلکتہ جانا ہوا تو دیکھا کہ مسلمان ہو چکے ہیں، اور ایک دوکان پر اپنا کام چلاتے ہیں، میں گذشتہ سال ہندوستان گیا تھا، وہاں عیسائیت کے ایک غیر معمولی رکن کی خبر ملی، بہت لمبی اور بہت دلچسپ داستان ہے، وہ اپنے یقین کو دوسروں تک پہونچانے کے لئے شب و روز مصروف کار ہیں۔

غازی محمود دھرم پال اصل میں دھرم پال ہی تھے، مسلمان ہوئے مگر پھر دھرم پال بن گئے، اللہ کی توفیق شامل حال تھی، دین حق کی طرف واپس آئے، اور پھر ہندو دھرم کی حقیقت سے پردہ اٹھانے میں اتنا کام کیا کہ اس زمانہ میں ذہنی آدمی غازی کہلاتے تھے، غازی مصطفیٰ کمال اور غازی محمود دھرم پال۔

یہ مضمون میں نے قلم برداشتہ لکھ دیا محض ذہنی یادداشت سے مگر یہ ہزاروں کا کام دے سکتا ہے ان دوستوں کے لئے جن کے پاس وسائل موجود ہوں معلومات کے اور وہ اس سے آگے لکھنا چاہیں۔

ایک امریکن دوست کی یاد آرہی ہے، نومسلم تھا، کالا نہیں سفید تھا، میں مدینہ منورہ میں ایک بڑے عالم اور بزرگ سے ملانے کے لئے گیا وہاں وہ بے اختیار ایک بات کہہ گئے۔

"حضرت مولانا، ہمارے ہاں کا جو سب سے روی لفظ ہے وہ میں نے دیکھا کہ یہاں بچہ بچہ کی زبان پر چڑھا ہوا ہے مگر آپ کی عربی کا جو سب سے عظیم بول ہے وہ ہمارا صدر جمہوریہ بھی نہیں جانتا" روی بول سے اس کی مراد "کوکا کولا" کی بوتل ہے، جو واقعی بے حد و بے نہایت چل رہی تھی اور چل رہی ہے، عظیم بول سے مراد تھا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ آپ رشتہ کی اس چوٹ کو محسوس فرمائیں اگر دل میں زندگی کی کوئی رمق اور ایمان میں روشنی کی کوئی کرن باقی ہے۔

مولانا محمد علی مرحوم کی ایک بات آئی، مولانا عبد الماجد صاحب نے ایک مشہور کانگریسی مصنف سے نقل کی تھی کہ شدھی سنگٹھن کی تحریک زور و شور سے جب چل رہی تھی تو سب لوگ مل کر بیٹھے کہ ہندو مسلم اتحاد کس طرح باقی رکھا جائے، مالوی جی نے تجویز پیش کی کہ اگر محمد علی اور ...

(بقیہ صفحہ پر)

# یہود اور اشتراکیت

پروفیسر سید احتشام ندوی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (صدر شعبۂ عربی کالی کٹ یونیورسٹی۔ کیرالا)

اشتراکیت بحیثیت نظام حیات یہودیوں کی ایجاد ہے۔ پہلی بار دنیا میں اشتراکی نظام کو روس میں نافذ کرنے میں بھی یہودی تھے وہ لوگ جنکی یہودیت اس انقلاب میں ظاہر نہ تھی ان میں بھی اکثر یہود تھے اور انہوں نے بظاہر اپنا دین تبدیل کرلیا تھا مگر جو کام انہوں نے انجام دیا وہ یہودیت کے مقاصد کی تکمیل تھا ان زعماء نے یہودی پیشین گوئیوں کے مطابق کام کیا۔ **اشتراکیت دنیا پر یہودی حکومت کے غلبہ کا پہلا مرحلہ ہے**، بقول ایک یہودی یہ موسیٰ علیہ السلام کے پروگرام کی علمی شکل ہے اور پہلا عالمی نظم ہے جو بنی اسرائیل کے انبیاء نے ان کے غلبۂ عالم کے لئے تجویز کیا تھا۔ (الیہود ص ۱۰۲)

یہود کہتے ہیں کہ انہوں نے پورے عالم میں انقلاب اور آزادی کی روح پیدا کردی ہے جو تمام قوموں میں عام ہوگئی ہے مگر یہ جھوٹی آزادی ہے ایک دام فریب ہے تاکہ اس بہانے بجز یہودیوں کے مذہب کو برباد کردیا جائے اور ان کو ان کی مذہبی تعلیمات سے محروم کردیا جائے۔ یہود نے لوگوں کو دین سے دور کیا ہے ان کو بندر کی اولاد بنایا ہے انہوں نے اشتراکیت کا نظریہ پیش کیا جس پر کہیں بھی یہودیت کی جھلک دکھائی نہیں دیتی اور لوگ اس کو قبول کرتے ہیں مگر یہ سب ہے یہودیت کی خدمت اور ان کے مقاصد کی برآری — اشتراکیت کے ذریعہ یہود اپنے دشمنوں پر قابو پانے کی عالمی پیمانے پر سازش کررہے ہیں۔ اس سازش میں ان کی سب سے بڑی مددگار ماسونی تحریک ہے جس کی متعدد شاخیں سرگرم عمل ہیں۔

یہود اشتراکیت کے حربہ سے وطنیت پر بھی ضرب کاری لگا رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا انتظام وہ اس بنا پر کررہے ہیں کہ پورے عالم کو یہودیوں پر غلبہ کے لئے ہموار کریں اور یہود کے منتظر مسیح کے لئے فضا ٹھیک کریں۔

**روس کا اشتراکی انقلاب یہودی عقل اور یہودی ہاتھوں کے ذریعہ ظہور پذیر ہوا ورنہ یہ بھوکے بے یار و مددگار مزدور اور کسان جو جاگیردارانہ نظام میں دبے ہوئے تھے کچھ نہ کرسکتے۔**

یہ صحیح ہے کہ سرخ فوج میں یہود نہ تھے مگر پالیسی بنانے والی تمام کمیٹیوں پر انہیں کا قبضہ تھا وہی فوج کو حکم جاری کرتے تھے۔ سوویت روس کے جھنڈے میں جو ستارہ ہے وہ یہودیت اور صیہونیت کا قدیم نشان ہے۔

بالشوک انقلاب یہودی انقلاب ہے دونوں میں گہری مماثلت ہے۔ بقول ایک یہودی "وہ دن دور نہیں کہ جب یہودی تعلیم پورے عالم میں پھیلے گی اور عالمی اخوت یہودی اخوت بن کر سارے مذاہب کو ہڑپ کرجائیگی"۔ (الیہود ص ۱۱۸)

اگر سرخ فوج نہ ہوتی تو یہودی نہ یورپ میں باقی رہتے نہ فلسطین میں اور نہ افریقہ میں حتیٰ کہ امریکہ میں بھی وہ نہ ٹھہر سکتے۔ اس لئے کہ جنگ عظیم میں سرخ فوج نے یہودیوں کو پناہ دی۔ نازیوں کے مقابلہ میں یہودیوں کو پورے یورپ میں بچانے اور خطرات سے نکالنے کا جو عظیم کام سرخ روسی فوج نے کیا ہے اس کی مثال واضح ثبوت ہے کہ اشتراکیت دراصل یہودیت ہی کا دوسرا نام ہے۔ روس نے پولونیا (POLOGNE) سے ۵ لاکھ یہودیوں کو نکالا ورنہ ان کا قلع قمع ہوجاتا **روس نے چیکوسلواکیہ کے ذریعہ اسرائیل کے قیام کے موقع پر فوجی امداد بھیجی**۔ انقلاب روس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہودیوں کو روس میں مساوی حقوق حاصل ہوجائیں اور اس پر ان کا عملاً قبضہ ہوجائے۔ اب جو روس عربوں کی طرف مائل ہے وہ اسرائیل کی دوستی کے باعث عربوں کی محبت میں نہیں اس لئے کہ اگر عربوں میں اشتراکیت رواج پاگئی تو پھر روسی مدد سے یہ اشتراکی "اسرائیل" سے جنگ نہ کریں گے اور اسرائیل کو باقی رکھیں گے جو ذریعہ بن جائیگا ان سے دوستی کا۔ **پورے عالم میں**

**صرف روس ایک ایسا ملک ہے جہاں یہود آزاد ہیں وہاں یہودی مسئلہ حل ہوچکا ہے اس لئے کہ ۸۸ فیصدی کلیدی عہدوں پر یہود فائز ہیں۔**

سنہ ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد جو مخالفت بھی یہودیوں کی کی گئی اس کو طاقت سے حکومت نے کچل دیا، یہودیوں کو مکمل آزادی دی گئی۔ روس یہودی تجربہ کی معراج ہے جہاں ۳۰ لاکھ سے زائد یہود آباد ہیں اور حکومت کررہے ہیں۔

**روس نے ایسے مخصوص قوانین وضع کئے ہیں جن کی رو سے یہودیوں پر زیادتی کرنے پر سخت سزا دی جاتی ہے۔** ایسے قوانین پورے عالم میں کہیں نہیں ملتے آج کوئی شخص یہود دشمنی کا نعرہ روس میں بلند کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا (الیہود ص ۱۲۹) حالانکہ وہاں صدیوں سے یہود دشمنی چلی آتی تھی مگر ایک آن میں وہ دوستی سے بدل گئی۔

روس پورے عالم میں اسرائیل کا سب سے بڑا محافظ ہے۔ وہ نمونہ ہے یہودی اشتراکیت کا۔ انڈریوگرمیکو وزیر خارجہ روس نے اقوام متحدہ میں اعلان کیا تھا کہ "یہودی قوم نے بڑے مصائب و آلام جھیلے ہیں لہٰذا ہم اقوام متحدہ سے منتشر و پریشان حال یہودیوں کے نام سے مانگ کرتے ہیں کہ ان کی امیدوں کو برلائے اور ان کے لئے ایک وطن کا انتخاب کیا جائے۔ یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ یہودیوں کو وطن سے محروم رکھا جائے"۔

اخبار خویش لائف لکھتا ہے کہ، **ہر مخلص یہودی کو اعتراف کرنا چاہئے کہ سب سے افضل یہود وہی ہیں جو اشتراکی ہیں اور سب سے دوست پارٹی وہی ہے جو کمیونسٹ کہلاتی ہے۔** "یہودی وراثۃً اشتراکی ہوتا ہے۔"



جو لوگ اس وقت روس پر حاکم ہیں وہ روسی نہیں ہیں بلکہ یہودی ہیں جو مختلف علاقوں سے روس میں آکر جم گئے ہیں۔ یہود اور روسی حکومت کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ **یہود اہل روس کو اس کا علم نہیں کہ اونچے عہدیداروں میں اکثر یہود ہیں جن کی یہودیت خفیہ ہے اور وہ جب باہم ملتے ہیں تو عبرانی میں بات کرتے ہیں** یا یدیشی زبان میں۔

"الیکسی کوسیجن نے اعلان کیا کہ ہم اسرائیل کے بارے میں تصفیہ کا خیر مقدم کرتے ہیں ہم نے اسرائیل کی تخلیق میں پہل کی اور اس کی بقا پر ہمارا ایمان ہے"۔

آج یہودی حکومتِ روس میں بہت بڑی تعداد میں گھس گئے ہیں ان کی تعداد ۶۱ فیصدی سے ۸۸ فیصدی تک بتائی جاتی ہے کہا جاتا ہے کہ ایک تہائی یہود روسی حکومت کے اہم عہدوں پر فائز ہیں یعنی ۱۰ لاکھ سے زائد۔ یہ واضح رہے کہ روس میں ۳ ملین سے زائد یہود ہیں اور امریکہ میں ۶ ملین۔

فیشبائن یہودی لکھتا ہے کہ جو روس کا دشمن ہے وہ یہودیوں کا دشمن ہے اور جو یہود کا دشمن ہے وہ روس کا۔ سب سے بڑا دوست ہمارا روس ہے۔

حاخام اسٹیفن کہتا ہے مارکسیت یہودی نبوت کی جدید شکل ہے۔ بارد خ لیفی نے بڑے واضح انداز سے لکھا ہے کہ ہم یہودی ایک ایسی وحدت ہیں جو ناقابل تسلیم ہے ہم سب مسیح کے منتظر ہیں۔ عنقریب وہ مسیح سارے عالم پر چھا جائے گا تمام مذاہب ختم ہوجائیں گے ملکوں کے حدود ختم ہوجائیں گے پھر ایک عالمی جمہوریت قائم ہوگی جو یہودیوں کو پورے عالم میں شہری حقوق عطا کرے گی اس نئی تنظیم میں بنی اسرائیل ہر جگہ پھیل جائیں گے۔ وہ ہر جگہ قائد اور رہنما کا رول ادا کریں گے اور خاص طور سے مزدوروں کے قائد بن جائیں گے۔ ایسی عالمی جمہوریت آسانی سے یہودیوں کے قبضہ میں آجائے گی اس لئے کہ پرولتاری طاقت کا وہ سہارا حاصل کرلیں گے شخصی ملکیت ختم کردی جائیگی خام سواد پر ان کا قبضہ ہوجائے گا کہ جب مسیح منتظر آئیں گے تو دنیا کی ساری دولت یہود کے قبضے میں ہوگی۔



**اس بیان سے صاف واضح ہے کہ سرمایہ دار اور پرولتاری دونوں طبقوں کی کشمکش بے حقیقت ہے۔ ان تمام کشمکشوں، فلسفوں اور خونریزیوں سے یہود اپنا قبضہ پورے عالم پر چاہتے ہیں**، حصول مقاصد کی ترکیبیں ایسی کرتے ہیں کہ جہاں تک ذہن نہیں جاسکتا۔ ایسی خیالی جنت کے نقشے پیش کرتے ہیں کہ انسان مبہوت ہوجاتا ہے اور اس کو کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ یہ یہودیوں کی سازش ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سید جمال الدین افغانی رح اور شیخ محمد عبدہٗ دونوں بغیر جانے ہوئے ماسونی تحریک کے رکن بن گئے اور انہیں کبھی پتہ نہ چل سکا کہ ماسونیوں کا تعلق اعلیٰ مقاصد سے نہیں بلکہ یہودیت سے ہے۔

آج سارا عالم اشتراکیت کا شیدا بنا جارہا ہے مگر ان کو یہ نہیں معلوم کہ یہ یہودیت کی انسانیت کے خلاف سازش ہے اور اس طرح پورے عالم پر حکومت کرنے کا ذریعہ ہے چنانچہ اکثر ممالک میں یہود ہی اشتراکیت کو بڑھاوا دے رہے ہیں۔ خاص طور سے **عرب ممالک کے تمام بڑے بڑے اشتراکی لیڈر یہودی ہیں۔ مارکس خود یہودی تھا، اس کا دوست اینجل بھی سخت یہودی تھا۔ لینن جس نے مارکسی تعلیم کو عملی جامہ پہنایا وہ بھی یہودی تھا جس نے حکومت میں یہودیوں کو خوب بھردیا۔**

چنانچہ ۵۵۰ اہم اصحاب حل و عقد میں سے ۸۸ فیصدی روس میں یہود ہیں۔ اشتراکیت فلسفہ و عقیدہ نہیں بلکہ وحشی مجرمانہ اقدام ہے انسانیت اور خدا کے خلاف جس سے بڑا کوئی جرم ممکن نہیں؟ اس کا نفع کسے پہونچتا ہے؟ صرف یہود کو۔ اشتراکیت پورے عالم پر یہودیوں کے تسلط کا ایک ذریعہ ہے یہودیوں کی اکثریت ساحقاً اشتراکی ہے جب سنہ ۱۹۳۲ء میں اشتراکیت کی مجلس عام مادلیوں میں منعقد کی گئی تو اس موقعہ پر ۱۰۰ یہودی تحریکوں نے اس کا مشاہدہ کیا اور اس کی نگرانی کی۔ اشتراکیت یہودیوں کا ایسا حربہ ہے کہ سارا عالم متحیر ہے اور یہود آگے بڑھ رہے ہیں اس حربہ نے عقلوں کو اندھا اور نگاہوں کو چکاچوند کردیا ہے صیہونیت اور اشتراکیت باہم یکسانیت رکھتی ہیں جنکے ذریعہ یہود سیاسی اور اقتصادی قوت حاصل کرکے پورے عالم کو اپنی مٹھی میں لے لینا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ امت اسلامیہ کے نوجوانوں کو اتنی عقل اور فہم عطا فرمائے کہ وہ اس چھپی ہوئی یہودیت کو پہچان سکیں۔

## بقیہ ص ۹

کام بتایا گیا: "انما النجوی من الشیطان لیحزن الذین آمنوا و لیس بضارهم شیئا الا باذن اللہ"... اسی طرح تحقیر اور استہزاء اور تمسخر سے منع فرمایا گیا "لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منهم" اس سے منع فرمایا گیا کہ دوسرے کی کوئی برائی جو معلوم نہ ہو اس کو تجسس کرکے معلوم کیا جائے اور جو برائی کسی کی معلوم ہوگئی اس کو دوسروں کے سامنے ذکر کرنے سے منع فرمایا گیا، اور غیبت کو حرام کیا گیا، غیبت اس کا نام ہے کہ جو واقعی برائی کسی کی معلوم ہو اس کا ذکر کسی سے کیا جائے "ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا" یہ تحقیر اور تمسخر اور تجسس اور غیبت سب وہ چیزیں ہیں جو آپس میں تفرقہ پیدا کرکے امت بننے کو توڑتی ہیں۔ ان سب کو حرام قرار دیا گیا اور ایک دوسرے کا اکرام و احترام کرنا جس سے امت جڑتی بنتی ہے اس کی تاکید فرمائی گئی اور دوسروں سے اپنا اکرام چاہنے سے منع کیا گیا، کیونکہ اس سے امت بنتی نہیں بگڑتی ہے امت جب بنے گی جب ہر آدمی یہ طے کرے کہ میں عزت کے قابل نہیں ہوں اس لئے مجھے عزت لینی نہیں بلکہ دوسروں کی عزت کرنی ہے اور دوسرے سب لوگ اس قابل ہیں کہ میں ان کی عزت کروں ان کا اکرام کروں۔

اپنے نفسوں اور اپنی ذاتوں کو قربان کیا جائے گا تو امت بنے گی اور امت بنے گی تو عزت ملے گی۔ عزت اور ذلت روس اور امریکہ کے نقشوں میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس کے ہاں اصول اور ضابطہ ہے۔ جو شخص یا قوم، خاندان، طبقہ چمکانے والے اصول اور اعمال لادے گا، اس کو چمکادیں گے جو مٹنے والے کام کرے گا اس کو مٹادیں گے۔ یہود نبیوں کی اولاد ہیں۔ اصول توڑے تو اللہ نے ٹھوکر مار کے ان کو توڑ دیا۔ صحابہ کرامؓ بت پرستوں کی اولاد تھے انہوں نے چمکانے والے اصول اختیار کئے تو اللہ نے ان کو چمکادیا۔ اللہ کی رشتہ داری کسی سے نہیں ہے اس کے ہاں اصول اور ضابطہ ہے۔

دوستو! اپنے کو اس محنت پر جھونک دو کہ حضورؐ کی امت میں امت پنا آجائے۔ اس میں ایمان و یقین آجائے، یہ ذکر و تسبیح اور تعلیم والی، خدا کے سامنے جھکنے والی، خدمت کرنے والی، برداشت کرنے والی، دوسروں کا اعزاز و اکرام کرنے والی امت بن جائے، تجویز نہ کرنے والی، نافرمانی نہ کرنے والی، اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی تحقیر و تمسخر اور تجسس و غیبت نہ کرنے والی امت بن جائے۔ اگر کسی ایک علاقہ میں بھی یہ محنت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونی چاہیے تو ساری دنیا میں بات چل پڑے۔

اب اس کا اہتمام کرو کہ مختلف قوموں علاقوں اور طبقوں اور مختلف زبان والوں کو جوڑ جوڑ کر جماعتوں میں بھیجو اور اصول کی پابندی کراؤ پھر انشاء اللہ امت بننے والا کام ہوگا اور شیطان اور نفس، خدا نے چاہا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے دیہات میں محنت کرنے اور فضا بنانے پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا۔ اور حسب معمول دعا پر تقریر ختم ہوئی۔!!

## بقیہ ص ۱۵ غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ....

پر راضی ہوجائیں کہ ہندوستان کو آزادی ملنے تک اسلام کی تبلیغ نہیں کی جاسکتی تو ابھی شدھی کی تحریک ختم کرنے کے لئے تیار ہوں، یہ مصنف کہتا ہے کہ مولانا محمد علی نے اس شرط کو ماننے سے صاف انکار کردیا۔ مولانا عبد الماجد نے لکھا ہے کہ محمد علی کی شفاعت کے لئے اگر اور کچھ نہ ہو تو یہی ایک چیز کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بین المسلمین اصلاح و تبلیغ ضروری ہے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ غیر مسلموں کے کام کو کسی بھی مدت کے لئے روک دیا جائے، اور سو باتوں کی ایک بات، اصلی تبلیغ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شب و روز مصروف تھے، مرتے دم بھی اسی ایک چیز پر اصرار تھا۔ بلکہ میرا ایمان و یقین تو یہ ہے کہ جس طرح اس شخص کی موت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق منافق کی موت ہے جس نے راہ خدا میں نہ جہاد کیا، نہ جہاد کی نیت کی (اللہ کی راہ میں جان دینے کے لئے نہیں اٹھا اور نہ اٹھنے کی دل میں کوئی آرزو تھی) اسی طرح اگر ایک مسلمان نے کسی غیر مسلم کو عمر بھر دعوت اسلام نہیں دی، اور دل میں اس کی تمنا نہیں پیدا ہوئی تو وہ دنیا اور آخرت کے خسارے میں رہا اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل کام یہی تھا، یہی کام وہ ہمارے سپرد فرماگئے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے اردو اخبار "تعمیر حیات" کا مطالعہ کیجئے اور اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لیجئے۔

## شیخ محمد علی الحرکان سکریٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ (سعودی عرب)

کے افغانستان کے خونی انقلاب پر ایک ٹیلیگرام کا ناظم ندوۃ العلماء کی طرف سے جواب

افغانستان کا المیہ بلاشبہ بہت بڑا ملی سانحہ ہے جس پر سارے عالم کے مسلمانوں کو سرکاری و غیر سرکاری دونوں سطح پر تشویش اور فکر ہونی چاہئے، میں رابطہ کے وفد کے سربراہ کی حیثیت سے افغانستان جاچکا ہوں، میں نے شیخ گل محمد صاحب سے جو رسالۃ المجمع کے ممبر بھی ہیں، ملاقات بھی کی ہے، وہ افغانستان کے نہایت قابل قدر اور مخلص علماء میں تھے اور انکی شہادت اس ملک کے لئے بہت بڑا ملی خسارہ ہے۔

ہم پیغام آپکی اور اس طریقہ پر جتنا ممکن ہوسکتا ہے اس سے کسی صورت دریغ نہیں کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بڑی مارکسی سازش کی کڑی ہے اور اس سے اس علاقہ میں اسلامی طاقتوں اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کو سخت خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ عرب ملکوں کو چاہئے کہ وہ اس ملک میں اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے اپنے تمام اثرات و وسائل بروئے کار لائیں۔

ابو الحسن علی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء)

# ایک اقبال شناس

## مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اختر راہی لیکچرر گورنمنٹ کالج مری (پاکستان)

گورنمنٹ ڈگری کالج
مری

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اپنے ایک مضمون "ایک اقبال شناس — مولانا ابوالحسن علی ندوی" کا تراشہ بھیج رہا ہوں۔ یہ مضمون گورنمنٹ کالج سرگودھا کے مجلہ "ضیا بار" بابت ۱۹۷۷ء میں چھپا ہے۔ اگر "تعمیر حیات" میں جگہ پا سکے تو انڈیا میں مولانا مدظلہٗ العالی کے عقیدت مند اس سے استفادہ کر سکیں گے۔

"تعمیر حیات" سے ہم کیسے استفادہ کر سکتے ہیں؟ چندہ بھجوانے کا طریقۂ کار کیا ہے؟

جواب کا انتظار رہے گا۔ مولانا مدظلہٗ العالی کی خدمت میں سلامِ شوق
امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ والسلام

مخلص اختر راہی

مولانا ابوالحسن علی ندوی، جو علمی حلقوں میں علی میاں کے مختصر نام سے معروف ہیں۔ ۶ر محرم الحرام ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۴ء) کو تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے ان کا نسبی تعلق شہید بالاکوٹ حضرت سید احمد شہیدؒ کے خانوادہ سے ہے۔ اُن کے والد ماجد سید عبدالحی مرحوم سے اردو ادب کا ہر طالب علم "گل رعنا" کی نسبت سے اور عربی داں حلقہ "نزہۃ الخواطر" کے حوالے سے متعارف ہے۔

علی میاں کی عمر نو سال کے لگ بھگ تھی کہ والد ماجد کے دستِ شفقت سے محروم ہو گئے۔ اُن کی پرورش اور تعلیم و تربیت بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی ناظم ندوۃ العلماء کے زیر نگرانی ہوئی۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم پائی۔ کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں مولانا حسین احمد مدنی مرحوم سے استفادہ کیا اور قرآن مجید کا خصوصی مطالعہ مولانا احمد علی لاہوری کے حلقۂ درس میں کیا۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں ندوۃ العلماء میں مدرس مقرر ہوئے اور آجکل "ناظم" کی حیثیت سے اپنی مادرِ علمی کی خدمت کر رہے ہیں۔ مولانا علی میاں کہنہ مشق ادیب، باشعور مؤرخ اور متبحر عالمِ دین ہیں۔ اُن کے قلم سے بیسیوں کتابیں نکل چکی ہیں۔ اُن کی عربی کتب عالمِ عرب میں زبان و بیان اور فکر و فلسفہ ہر دو اعتبار سے وقیع سمجھی جاتی ہیں۔ تاریخ دعوت و عزیمت، سیرت سید احمد شہیدؒ، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، قادیانیت (مطالعہ و جائزہ)، ارکانِ اربعہ، پرانے چراغ اور نقوشِ اقبال ان کی چند اہم اور معروف تصنیفات ہیں۔

مولانا علی میاں علمائے سلف کا زندہ نمونہ ہیں۔ وہ خلیق، ملنسار اور اپنے علم و فضل کو سادگی کی ردا میں چھپائے ہوئے ہیں۔ ممتاز اقبال شناس جناب یوسف حسین خان مؤلف "روحِ اقبال" کے الفاظ میں "اس زمانے میں علماء کی آبرو ہیں"۔

### علامہ اقبال سے دلچسپی

علامہ اقبال سے مولانا کی دلچسپی سن شعور سے ہے اور علامہ کے افکار سے متاثر ہوئے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

"زندگی کے طویل تر دور میں دماغ پر علامہ اقبال مرحوم کا بڑا غلبہ رہا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاصر شخصیت کے افکار کا اتنا گہرا اثر دماغ پر نہیں پڑا جتنا علامہ اقبال کے کلام کا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان خیالات اور تمناؤں کی ترجمانی کرتے ہیں جو روح و جسم میں پیوست ہو چکی ہیں۔"

علی میاں ابھی زیر تعلیم تھے کہ علامہ کی بعض منظومات کا عربی نثر میں ترجمہ شروع کیا۔

### علامہ اقبالؒ سے ملاقاتیں

سنہ ۱۹۲۹ء میں ان کی عمر تقریباً پندرہ ۱۵ سال تھی اور لاہور میں بسلسلۂ تعلیم مقیم تھے۔ ان دنوں اورینٹل کالج میں ان کے پھوپھا مولانا سید طلحہ (م ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء) مدرس تھے۔ مولانا سید طلحہ نے علی میاں کو لاہور کی ممتاز شخصیات سے ملایا۔ جون ۱۹۲۹ء میں پہلی بار علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ سے ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا "یہ مصنفِ گل رعنا کے فرزند ہیں اور انہوں نے آپ کی بعض نظموں کا عربی نثر میں ترجمہ کیا ہے"۔

اس مجلس میں علی میاں نے علامہ کو اُن کی نظم "چاند" کا عربی ترجمہ دکھایا۔ علامہ نے اسے دیکھ کر ان سے بعض عرب شعراء کے متعلق کچھ سوالات کئے جن سے ان کی معلومات کا اندازہ مقصود تھا۔

دوسری اور آخری بار علامہ سے ۲۲ر نومبر ۱۹۳۷ء کو ملاقات کی۔ مولانا سید محمد طلحہ ان کے ساتھ تھے۔ اس یادگار ملاقات کی روداد علی میاں نے "عارفِ ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے" کے زیر عنوان لکھی جو بعد میں "نقوشِ اقبال" کے دیباچہ میں شامل کر لی گئی۔ مولانا علی میاں لکھتے ہیں:-

"اس صحبت میں ہر طرح کے موضوعات زیر بحث آتے رہے۔ بسلسلۂ گفتگو میں شعرِ جاہلیت کا ذکر آیا تو اقبالؒ نے اس کی صداقت و واقعیت اس کے جوش و خروش کا پسندیدگی کے ساتھ ذکر کیا اور حماسہ کے بعض اشعار پڑھے۔

وہ کہنے لگے کہ اسلام اپنے پیروؤں میں عملیت اور حقیقت پسندی پیدا کرتا ہے اور ادھر آج کی سائنس بھی اپنی حقیقت پسندی اور تخیلات سے گریز میں اسلام سے قریب نظر آتی ہے۔ اسلام کی دو صدیوں میں مسلمانوں میں یہ روح زندہ رہی جس کے نتیجے میں وہ عقیدہ و عمل، سیرت و اخلاق، سیرت و اخلاق کے جادۂ استوار پر گامزن رہے لیکن یونانی فلسفۂ الٰہیات نے مشرق کو مردِ بیمار اور بیکار بنا دیا ہے ــــ یورپ کی نشأۃ ثانیہ بھی اس وقت ہوئی جب اس نے اپنے کندھوں سے فلسفۂ مابعد الطبیعات کا جوا اتار پھینکا اور مفید تجربی علوم کی طرف متوجہ ہوا لیکن اس عہد میں وہ مسائل پیدا ہونے لگے جنھوں نے یورپ کو بھی رجعت پسندی کی لائن پر ڈال دیا۔ انہوں نے کہا کہ عربی مزاج اسلام کے لئے بہت سازگار ثابت ہوا لیکن عجمی تخیلات نے اسلام پر وہی ظلم کیا جو کلیسا نے یورپ پر کیا تھا۔ مجموعی طور پر آریائی فکر نے دونوں مذہبوں کو کم و بیش اپنی گرفت میں لے لیا۔ آپ نے تصوف کے ذکر میں بعض صوفیہ کے فکری غلو پر تنقید کی اور وجد و سماع کے بارے میں کہنے لگے کہ صحابہ کرامؓ کو بجائے ان خیال آرائیوں کے شہسواری اور جانسپاری میں طربِ اہتزاز اور راحت و مسرت محسوس ہوتی تھی۔

ہندوستان میں تجدید و احیاء کی بات نکلی تو شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ، سلطان محی الدین عالمگیر کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ اگر ان کا وجود اور ان کی جد و جہد نہ ہوتی تو ہندوستان تہذیب و فلسفۂ اسلام کو نگل جاتا۔

پاکستان کے بارے میں فرمایا کہ جو قوم اپنا ملک نہیں رکھتی وہ اپنے مذہب و تہذیب کو بھی برقرار نہیں رکھ سکتی۔ دین و تہذیب حکومت و شوکت ہی سے زندہ رہتے ہیں۔ اس لئے پاکستان ہی مسلم مسائل کا واحد حل ہے اور یہی اقتصادی مشکلات کا حل بھی ہے۔ ضمناً انہوں نے اسلام کے نظام زکوٰۃ اور بیت المال کا بھی ذکر کیا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں فرمایا کہ میں نے بعض مسلم والیانِ ریاست و حکومت کو غیر مسلموں میں تبلیغ کی طرف توجہ دلائی ــــ اور مسلمانوں میں بھی دعوت کے کام پر زور دیا ــــ اور عربی زبان کی ترقی اور ایک عالمی بنک کے قیام کے بارے میں بھی بات چیت کی۔ میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کے معاملات کی وکالت کے لئے ایک بلند پایہ انگریزی اخبار بھی ضروری ہے۔ جس سے ملت کی آواز میں طاقت



اور اثر پیدا ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلم والیانِ ریاست نے مسئلے کی اہمیت نہیں سمجھی اور نہ انہیں خطرات کا احساس ہوا۔ اُن کی تنگ نظری، پست خیالی اور خود غرضی کے بہت شاکی تھے۔"

اس ملاقات میں مولانا علی میاں نے علامہ سے اُن کے کلام کے عربی ترجمہ کی اجازت بھی حاصل کی جو علامہ نے خوشی کے ساتھ دے دی۔

### علامہ کے فن و شخصیت پر کام کرنے کا عزم:

ملاقات کے پانچ ماہ بعد علامہ وفات پا گئے تو اُن کے فن و شخصیت پر کام کرنے کا عزم پختہ ہو گیا۔ مولانا علی میاں نے اپنے عزیز دوست مولانا مسعود عالم ندوی کو پٹنہ خط لکھا جہاں وہ خدا بخش لائبریری میں کیٹلاگر تھے ایک دوسرے کی ماتم پرسی کی اور علامہ پر کام کرنے کا پروگرام بنایا۔ مولانا مسعود عالم ندوی کے علامہ سے تعلقات اُن کے نام خطوط سے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اقبال کے بڑے پرجوش مبلغ تھے اور ان کی حمایت، حمیت کے درجے کو پہنچی ہوئی تھی۔ مولانا مسعود عالم ندوی نے اپنے مضامین میں اقبال کو شاندار خراجِ عقیدت ادا کیا ہے۔ مثال کے طور پر "برصغیر ہند و پاکستان میں اسلامی تحریک کی تاریخ" کے مختصر مضمون میں علامہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ اس دور (بعد از ۱۸۵۷ء) میں اقبال کے فکر و نظر اور ان کی تصنیفات سے اسلامی فکر کی تشکیل و پرداخت میں بڑی مدد ملی ہے اور اپنی عمر کے آخری سالوں میں قادیانیت کے خلاف اُن کا جہاد تو اسلامی ہند کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے"۔

دونوں دوستوں علی میاں اور مولانا مسعود عالم ندوی کے درمیان طے پایا کہ مولانا مسعود عالم عربی میں علامہ کی حیات و پیغام پر لکھیں اور اُن کے شعر کو علی میاں عربی جامہ پہنائیں۔

چنانچہ مولانا مسعود عالم ندوی نے قاہرہ کے وقیع مجلہ "الفتح" میں علامہ پر ایک مؤثر مضمون لکھا۔ مولانا علی میاں نے بھی اُن کی زندگی پر ایک مقالہ لکھا۔

اس کے بعد تقریباً دس سال تک علی میاں اپنے تصنیفی اور تعلیمی اشغال کی وجہ سے علامہ پر کچھ نہ لکھ سکے۔

### تجدید کار:

سنہ ۱۹۵۰ء میں مولانا علی میاں کو حجاز اور مصر و شام کے سفر کا اتفاق ہوا اور تقریباً ایک سال سے زائد قیام کا موقع ملا تو انہوں نے علامہ کے فکر و فلسفہ پر چند مقالات لکھے جو دارالعلوم اور قاہرہ یونیورسٹی میں پڑھے گئے اسی طرح سنہ ۱۹۵۶ء میں دمشق ریڈیو کے لئے ایک مقالہ "محمد اقبال فی مدینۃ الرسول" کے زیر عنوان لکھا۔

علی میاں کی عرب میں جو قدردانی ہے اور اُن کے علم و فہم پر جس قدر اعتماد کیا جاتا ہے اس کا تقاضا تھا کہ اُن سے علامہ اقبال پر لکھنے کا مطالبہ کیا جاتا۔ عالم عرب کے مشہور ادیب علی طنطاوی نے المسلمون (دمشق) میں اُن کے نام ایک کھلا خط لکھا کہ علی میاں، علامہ اقبال کے کلام کو عربی جامہ پہنائیں۔

علی طنطاوی کی فرمائش نے ایک بار پھر علی میاں کی بجھی اور سوئی ہوئی طبیعت کو آمادہ بہ عمل کر دیا اور ایک ہی نشست میں "مسجد قرطبہ" کا ترجمہ ہو گیا اس کے بعد علامہ پر مسلسل کئی مقالات بھی لکھے گئے۔

### روائع اقبال / نقوش اقبال:-

ان مقالات اور نشری تقاریر کو "روائع اقبال" کے نام سے دمشق اور بیروت میں شائع کیا گیا۔ بعد میں مولوی شمس تبریز خان نے "روائع اقبال" کو اردو میں منتقل کیا اور "نقوش اقبال" نام رکھا۔

نقوش اقبال کے تفصیلی جائزہ سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مولانا علی میاں کے اندازِ فکر پر مفید باتیں ہو جائیں۔

### علامہ کے بارے میں انداز فکر:-

"نقوشِ اقبال" کے دیباچہ میں مولانا علی میاں نے علامہ کے بارے میں اپنے اندازِ فکر پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:-

"میں اقبال کو کوئی معصوم و مقدس ہستی اور کوئی دینی پیشوا اور امام مجتہد نہیں سمجھتا اور نہ میں ان کے کلام سے استناد اور مدح سرائی میں حد افراط کو پہنچا ہوا ہوں جیسا کہ ان کے غالی معتقدین کا شیوہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حکیم سنائی، عطار اور عارف رومی آدابِ شریعت کے پاس اور لحاظ اور ظاہر و باطن کی یک رنگی اور دعوت و عمل کی ہم آہنگی میں اُن سے بہت آگے ہیں۔ اقبال کے یہاں اسلامی عقیدہ و فلسفہ کی ایسی تعبیریں بھی ملتی ہیں جن سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ میں بعض پرجوش نوجوانوں کی طرح اس کا بھی قائل نہیں کہ اسلام کو اُن سے بہتر کسی نے سمجھا ہی نہیں اور اس کے علوم و حقائق تک اُن کے سوا کوئی پہنچا ہی نہیں بلکہ سچ تو یہ ہے میں اپنی زندگی کے ہر دور میں اس کا قائل رہا کہ وہ اسلامیات کے ایک مخلص طالب علم رہے اور اپنے متقدم معاصرین سے برابر استفادہ بھی کرتے رہے"۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اقبال وہ شاعر ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے مطابق بعض حکم و حقائق کہلوائے ہیں جو کسی دوسرے معاصر شاعر و مفکر کی زبان سے ادا نہیں ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ پیغام محمدیؐ کے بقائے دوام، امتِ مسلمہ کے استحکام اور اس کی قائدانہ صلاحیت نیز عصری نظریات و فلسفہ کی بے مائیگی پر اُن کے پختہ عقیدہ سے اُن کی فکر میں وضاحت اور پختگی آئی ہے اور خود ان کی خودی تعمیر ہوئی ہے۔ اس معاملے میں وہ خاص کر دینی علوم کے اُن فضلاء سے بھی آگے ہیں جو مغربیت کی حقیقت سے واقف نہیں اور نہ انہیں اس کے حقیقی اغراض و مقاصد اور تاریخ سے گہری واقفیت ہے"۔

مولانا علی میاں اپنی علمی و مطالعاتی زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"ابتدائی استغراق و انہماک کے دور میں تنبیہ ہوئی کہ کسی انسان کے کلام سے اسقدر انہماک اور شیفتگی اچھی نہیں۔ اصل شغف اور انہماک کی چیز اللہ تعالیٰ کا ابدی پیغام اور کلام ہے جو قرآن مجید کی شکل میں محفوظ ہے اور جس کو جو کچھ ملا ہے اُسی سے ملا ہے۔ لیکن اب بھی اُن کے اشعار خون میں تموج اور جذبات میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں اور عالم اسلام کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے اب بھی اُن کو طاقت و خود اعتمادی کا ایک بہت بڑا سرچشمہ سمجھتا ہوں"۔

"نقوشِ اقبال" کے جملہ مضامین اور نشری تقاریر تذکرۃ الصدر نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں۔

"نقوشِ اقبال" کا انداز وضاحتی اور تحریکی ہے۔ مولانا علی میاں نے اُن نظموں کو منتخب کیا ہے۔ جن سے علامہ کے پیغام کو بہتر طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور مخاطبین کو متحرک کرنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ، مسجد قرطبہ، ذوق و شوق، الارق کی دعا اور ساقی نامہ پر لکھے گئے مضامین اسی انداز میں ہیں۔

"ابلیس کی مجلس شوریٰ" پر لکھتے ہوئے علامہ کی دوسری ہم مضمون نظموں سے استشہاد کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شرارِ بولہبی، چراغِ مصطفوی کے درپے ہے۔ دینی داروں میں دینی روح کا فقدان ہو گیا ہے لیکن مغربی تہذیب بھی اپنا رول ادا کر چکی ہے اس کا وقت پورا اور اس کا ترکش خالی ہو چکا ہے۔ تہذیب مغرب مٹنے والی ہے اور ایک نیا عالم انگڑائی لے رہا ہے اور اس عالم کی تعمیر وہی کر سکتا ہے جس نے انسانیت کے لئے دنیا میں بیت الحرام بنایا تھا اور دنیا کی قیادت کا علم سنبھالا تھا۔

تقریباً یہی انداز دوسری نظموں کی تشریح و توضیح میں اختیار کیا گیا ہے چونکہ یہ مضامین عربوں کو مخاطب کر کے لکھے گئے تھے اس لئے ملتِ عربی کی گونج زیادہ ہے۔

نظموں کی تشریح و توضیح کے ساتھ ساتھ کچھ فکری مضامین ہیں۔ مثلاً "اقبال اور مغربی تہذیب و ثقافت"، "اقبال کا نظریہ علم و فن"، "اقبال اور عصری نظام تعلیم"، "اقبال اور قومیت و وطنیت" وغیرہ۔

ان مضامین میں مؤلف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اقبال مغربی تہذیب کے باغی تھے اور انہوں نے اس تہذیب کو چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے اپنے فکر میں اسلامی نظامِ حیات کو پیش کیا ہے۔ "نقوشِ اقبال" میں اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اُن کی روح، امتِ مسلمہ کی تجدید و اصلاح، مغربی تہذیب اور اس کے علوم کے متعلق علامہ اقبال کے افکار کا خلاصہ آ گیا ہے۔ اس کتاب سے علامہ کے پیام اور فکر کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

بقیہ ص ۲۱: اور عرب کی تاریخ نے وہ زریں دور دیکھا جب پکارنے والے پکارتے تھے کہ "عزیزو! حاجتمند و آؤ۔ سرکاری خزانے کا منہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے۔ مگر ایک شخص ایسا نہیں نکلتا تھا جو امداد کا مستحق ہو اور غیر مستحق کے پیر میں خدا کے خوف کی اور آخرت کے حساب کتاب کی ایسی بیڑی پڑی تھی کہ وہ ایک غلط قدم آگے بڑھانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

اللہ کے سب بندو! آؤ مل جل کر جوڑ کا محاذ قائم کریں۔ توڑ کا مزاج ختم کریں۔ اللہ کی اطاعت قبول کریں۔ شیطان کا راستہ ترک کریں۔ نبیؐ کا دامن پکڑیں۔ اسی کے طریقہ پر چلیں۔ اسی کا کردار اپنائیں۔ اسی کا فیشن اختیار کریں کہ یہی کامیابی کا محاذ ہے۔ یہی محبت اور اخوت کا محاذ ہے۔ یہی قربانی اور ایثار کا محاذ ہے۔ جو آج اس محاذ پر اکٹھا ہو جائیں گے وہی کل کے محسنِ اعظم قرار دئے جائیں گے۔ وہی علم کے علمبردار تسلیم کئے جائیں گے۔ انتشار اور تخریب کی اس دنیا میں وہی صبر و سکون والا انقلاب پیدا کریں گے۔!!

# توڑ کا مزاج

جناب ریاض الدین احمد صاحب (سابق پرنسپل اسلامیہ مجیدیہ کالج الہ آباد)

انسانیت کی بنیاد جوڑ پر ہے توڑ پر نہیں۔ زندگی جوڑ سے بنتی ہے۔ توڑ سے بگڑتی ہے۔ اللہ کی اطاعت میں جوڑ ہے۔ شیطان کی اطاعت میں توڑ ہے۔

اس مسئلہ کے باوجود دنیا میں توڑ کا ایک وسیع نظام برپا ہے۔ تہذیبیں مٹ رہی ہیں، حکومتوں کے تختے الٹ رہے ہیں۔ ادیان کے خلاف علم بغاوت بلند ہے۔ کردار کی کمر ٹوٹ رہی ہے شرافت کا بت پاش پاش ہے۔ انسانیت کی رو گرداب میں ہے۔ امانت کا وجود دم توڑ رہا ہے۔ دیانت کا گلا گھونٹا جا رہا ہے حق کی پکار صدا بصحرا ہے۔ انصاف کی کشتی گرداب میں ہے جہاں جاؤ جدھر دیکھو توڑ ہی توڑ نظر آتا ہے۔ شیطان کا کرشمہ توڑ ہے۔

**مگر رحمٰن نے دنیا کو جوڑ پر پیدا کیا ہے۔ انسان انسان کے جوڑ سے خدمت و محبت کا جذبہ پیدا ہوا۔ مرد عورت کے جوڑ سے نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔ انسان اور کھیت کے جوڑ سے غلہ اور چارہ وجود میں آیا۔ گارے، لوہے اور پتھر کے جوڑ سے عمارتیں فلک بوس ہوئیں۔ آگ پانی کے جوڑ سے کھانے نے پکنا اور ریل نے چلنا سیکھا۔**

غرض کہ موجودات عالم میں افادیت اسی وقت پیدا ہوئی جب چیزوں کا جوڑ ایک دوسرے کے ساتھ عمل میں آیا۔ جوڑ کا نظام خود اختیاری بھی ہے اور لازمی بھی کاغذ قلم کا جوڑ، آری لکڑی کا جوڑ۔ کھاد اور بیج کا جوڑ، دوکان و سامان کا جوڑ یہ سب انسان کے اختیار میں ہیں لیکن حیوانات میں اعضاء کا جوڑ۔ انسان میں دل و دماغ کا جوڑ۔ نباتات میں موسمیات کا جوڑ۔ یہ سب لازمی اور فطری ہیں۔ ان کے طرز عمل میں نہ انسان کا مشورہ ہے نہ اس کا اختیار۔ جوڑ کا یہ فطری نظام ہر مثبت بھی ہے اور متضاد بھی۔ مثبت یہ کہ دل و دماغ کے جوڑ سے قوت متخیلہ وجود میں آئی۔ دانت منہ اور زبان کے جوڑ سے کھانے کا مزا چکھا۔ حلق ہونٹھ اور زبان کے جوڑ سے قوت کلام کا ظہور ہوا۔ دو پیروں کے جوڑ نے چلنا سکھلایا۔

تو ہاتھوں کے جوڑنے کرنا سکھلایا۔ جوڑ کی یہ مثبت طاقتیں رحمٰن کا وہ عطیہ ہے جو ہر شخص کو بلا منت اور بلا کوشش عنایت کیا گیا ہے۔ متضاد یہ ہے کہ آنکھ کا کام دیکھنا باقی اعضاء کا کام نہ دیکھنا۔ زبان کا کام بولنا باقی اعضاء کا کام نہ بولنا۔ پیر کا کام چلنا، باقی اعضاء کا کام نہ چلنا۔ مگر آنکھ زبان اور پیر میں کیسا اتحاد عمل ہے! پیر میں ذرا چوٹ لگ جائے تو آنکھ روئے گی۔ پیر چل کر اسپتال جائے گا۔ زبان ڈاکٹر سے عرض حال کرے گی۔ تینوں کے جوڑ سے پیر کا زخم مندمل ہو جائے گا۔ تینوں کا دائرہ عمل الگ الگ۔ مگر تینوں ایک ہی مقصد حیات کے لئے مل کر اور جڑ کر کام کر رہے ہیں۔ اعضاء کا یہ فطری وظیفہ رحمٰن کے انعام خاص کی حیثیت رکھتا ہے پھر لطف یہ کہ اس انعام کی شکل جزا کی نہیں ہے عطا کی ہے ہشیار ہو کر غافل۔ عابد ہو کر گنہ گار۔ دوست ہو کر دشمن۔ مطیع ہو کر باغی۔ فطری جوڑ کا نظام ہر کس و ناکس کے لئے باعث صد ہزار منت گذاری ہے۔ مگر فطرت نے صرف اعضائے انسانی کے مثبت و تضاد میں جوڑ پیدا کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ان متراد سامان معیشت میں بھی جوڑ پیدا کر دیا جو بقائے انسانی کے لئے مفید اور ضروری تھے۔ جان لیوا زہر کو ادویہ کے ساتھ جوڑ کر جان بچانے والا بنا دیا۔ سر توڑنے والے پتھر کو سیمنٹ اور چونے سے جوڑ کر سر چھپانے کا ذریعہ بنا دیا۔ ہلاک کرنے والی بجلی کی لہر کو محبوس کر کے خاص و عام کا خادم بنا دیا۔ جلانے والی آگ اور بجھانے والے پانی میں ایسا جوڑ بٹھایا کہ انجن چل پڑے۔ کنوئیں ابلنے لگے مشینیں گھڑگھڑانے لگیں۔ ریلیں رواں دواں ہو گئیں آب پاشی سہل ہو گئی صنعتی سامان اور کاروبار کی ریل پیل ہو گئی۔

**لیکن عجیب بات ہے کہ وہی انسان جس کے جوڑ جوڑ اور انگ انگ میں اتحاد عمل کارفرما ہے اور وہی انسان جس کا ماحول جوڑ کے مظاہر سے بھرا پڑا ہے خود آپس میں یعنی انسان انسان کے درمیان جوڑ کی راہیں بند کرنے اور توڑ کی راہیں کھولنے میں عقل و ہوش کی پوری طاقتیں صرف کر رہا ہے۔ کاشتکاروں کو ابھارا کہ زمینداروں کی کمر توڑ دے۔ مزدوروں کو ابھارا کہ سرمایہ داروں کا سر کچل دے۔ جنتا کو ابھارا کہ حکومتوں کا تختہ الٹ دے۔ نوجوانوں کو ابھارا کہ بزرگ اور خورد کی تفریق مٹا دے۔ بیٹے کو ابھارا کہ باپ سے ناتا توڑ دے۔ طالب علم کو ابھارا کہ استاد کی عظمت کو چکنا چور کر دے۔ یعنی زندگی کے جس رخ کی طرف سے قدم اٹھایا توڑ کا بازار گرم کر دیا۔ مدرسے پھونک دئے۔ لائبریریاں خاک سیاہ کر دیں۔ عبادت گاہیں ڈھا دیں بسیں جلا دیں، ریلیں الٹ دیں، بستیاں پلٹ دیں۔**

بیشک یہ ظالم بادشاہوں اور فسطائی مزاجوں کی یادگاریں تھیں۔ ان کا مٹ جانا ہی بہتر تھا۔ مگر ان کے بعد؟ ... ملا کیا؟ پھر وہی طبقات، وہی اونچ نیچ۔ وہی مظالم وہی کرسیوں کی ہوس۔ وہی دولت کی تمنا۔ وہی بے انصافی۔ وہی بدکرداری، فرق صرف اتنا ہوا کہ کرسیاں بدل گئیں۔ بادشاہ کی جگہ صدور گورنروں اور وزراء نے لے لی محلوں میں پہلے وہ رہتے تھے اب زیادہ بہتر محلات میں یہ رہتے ہیں۔ وزیروں کی کوٹھیاں ساز و سامان سے اور زیادہ لیس ہیں۔ گورنروں کی آرام گاہیں اب بھی حجلۂ عروسی سے کم نہیں۔ عوام کی بے بسی تحقیر اور تذلیل کا عالم اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا۔ لاقانونیت کا قانون اب بھی چل رہا ہے۔ قتل و غارت گری کا پیمانہ آج بھی لبریز ہے۔ عصمت دری اور عصمت فروشی فیشن میں داخل ہو چکی ہے۔ رشوت، بے ایمانی، دغابازی، عالمی فن کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ بس اگر بول بالا ہے تو مال کا۔

**لوٹ لو جس طرح لوٹ سکو، سرکار ہو تو قانون کے پردے میں لوٹو۔ دعایا ہو تو لاقانونیت کی چھتری اوڑھ کر لوٹو کہ مال ہے تو منال ہے۔ مال ہے تو عزت ہے مال ہے تو عظمت ہے۔ مال ہے تو سکون ہے۔ مال نہیں تو کچھ بھی نہیں! یہ مزاج لینے کا ہے لوٹنے کا ہے۔ دینے کا اور سخاوت کا مزاج نہیں، اس میں توڑ ہے، اس میں جوڑ نہیں، اس میں بربادی ہے، اس میں کامرانی نہیں۔ اس میں درندگی ہے انسانیت نہیں۔ یہ انسانیت کی بستی کی ایک خونچکاں داستان ہے۔**

مگر قابل غور بات یہ ہے کہ انسان جو افضل مخلوقات ہے جس کو عقل کی دولت سے مالا مال کیا گیا ہے۔ جس کو علم کی روشنی ودیعت کی گئی ہے۔ جس کا پورا ماحول جوڑ جوڑ کی پکار لگا رہا ہے۔ جس کے ہر چہار طرف جوڑ کے نقشوں میں کامیابی نظر آ رہی ہے اس کا ہر قدم توڑ کی طرف کیوں اٹھتا ہے؟ جو راستہ وہ اختیار کرتا ہے وہ توڑ کا راستہ کیوں ہوتا ہے؟ جواب صاف اور واضح ہے، جوڑ اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک جوڑ کا ذریعہ یا مسالہ نہ استعمال کیا جائے۔ کاغذ کے لئے گوند کی ضرورت ہے۔ کپڑے کے لئے سوئی دھاگے کی ضرورت ہے اینٹ پتھر کے لئے گارے چونے کی ضرورت ہے۔ شہر شہر میں جوڑ ریل گاڑی سے ہے ملک ملک میں جوڑ ہوائی جہاز سے ہے۔ دنیا کا چاند سے جوڑ راکٹ کی مدد سے ہے۔ اسی طرح اعضائے انسانی میں جوڑ کا مسالہ روح ہے۔ روح نہ ہو تو ناک کان ہاتھ پیر کسی کا جوڑ ممکن نہیں ہے۔ انسان انسان کے درمیان جوڑ کا ذریعہ دین ہے۔ یہی وہ مسالہ ہے جو پہلے انسان سیدنا آدم علیہ السلام لے کر آئے تھے، یہی وہ مسالہ ہے جو تمام انبیاء کرام اپنے پیچھے چھوڑتے چلے گئے ہیں۔ یہی وہ مسالہ ہے جس کا وارث نبی آخر الزماں نے اپنی امت کو بنایا اور اسی ورثے کی حفاظت کا اس کی حفاظت اسی کو ذمہ دار قرار دیا۔ دین



کے معنی ہیں اللہ پرستی اور اللہ کی اطاعت۔ انسانوں کے قلوب کا جوڑ دین میں ہے۔ توڑ پیدا کرنے کا آلہ لادینی یعنی کفر ہے۔ کفر کے معنی ہیں اللہ سے بغاوت اور اس کی اطاعت سے انحراف اطاعت کی روح تقویٰ ہے۔ تقویٰ کا منبع کتاب اللہ ہے۔ اللہ کی کتاب میں حیات انسانی کے لئے جامع منصوبہ بندی اور ابدی کامیابی کا پروگرام ہے۔

**اس پروگرام کے رہبر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کتاب اور رسول کے جوڑ سے جو ضابطہ حیات وجود میں آیا۔ اس نے توڑ کی وسیع دنیا میں جوڑ کا سکہ چلا دیا۔ دین سے جڑ گئے تو مزاجوں کا انقلاب رونما ہوا۔ لوٹنے گھسوٹنے کے بجائے دینے دلانے کا مزاج بنا۔ نفرت و شقاوت کے بجائے الفت اور محبت کا مزاج بنا۔ غریب کا مزاج یہ بنا کہ امیر کی دولت کو نظر میں نہ لائے امیر بنانے والے پر نظر رکھے۔ امیر کا مزاج یہ بنا کہ امارت کا شکرانہ یہ ہے کہ غریب سے صرف نظر نہ کرے۔ پہلے غریب کی ضروریات پوری کرے پھر اپنی۔**

حضرت علیؓ جب کپڑے خریدتے تو دو خریدتے۔ ایک اپنے لئے ایک اپنے غلام قنبر کے لئے۔ قیمتی کپڑا قنبر کو پہناتے اور گھٹیا دالا خود استعمال فرماتے۔ حضرت عمرؓ باوجودیکہ حاکم وقت امیر المومنین تھے جتنی دیر خود سواری پر تشریف فرما ہوتے اتنی ہی دیر اپنے غلام کو سواری پر بٹھاتے اور خود پیدل چلتے۔ شوہر کا مزاج یہ بنا کہ بیوی کے آرام و آسائش کی ذمہ داری اس کے سر ہے۔ بیوی کو افزائش مال و ہوس کا ذریعہ نہ بنائے۔ اور اس کے لئے مال و متاع صبر و تحمل، ایثار و محبت کی قربانی پیش کرے۔ امام جعفرؒ اپنی بیوی کو عالیشان اور آراستہ پیراستہ مکان میں رکھتے تھے اور ان کی خاطر اچھا اور قیمتی لباس زیب تن فرماتے تھے ورنہ خود اپنے استعمال کے لئے ان کے پاس ایک ٹوٹا پھوٹا مکان، ریت کا فرش اور گھٹیا لباس تھا۔ ایک بزرگ کی اہلیہ بڑی تیز طرار تھیں، مرید سے رہا نہ گیا ایک دن شکایت کر بیٹھے

شیخ نے جواب دیا۔ "میاں! بزرگی جو مجھے ملی ہے اسی کی بدولت ملی ہے نہ اس کی بد مزاجی پر مجھ کو صبر کی توفیق ہوتی نہ اللہ کی طرف سے یہ درجہ عطا ہوتا۔ بیوی کا مزاج یہ بنا کہ حیادار ہو۔ گلی گلی اپنا مظاہرہ نہ کرتی پھرے۔ وفا شعار ہو۔ شوہر کی امانت کو محفوظ رکھے۔ اور نسل انسانی کو اعلیٰ مرتبت بنانے کی خدمت انجام دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ موٹے کپڑے زیب تن فرماتیں۔ چکی پیستی جاتیں اور بچے کو دودھ پلاتی جاتیں۔ لاڈلی بیٹی کے لئے باپ کی نصیحت یہ تھی کہ بیٹی! آخرت کی تلخی سے پہلے دنیا کی تلخی کا مزا چکھ لو۔ استاد کا مزاج یہ بنا کہ شاگرد میں مرضیات الٰہی کا شعور پیدا کرے۔ اور علوم دنیا کے ساتھ تقویٰ کا مزاج جوڑ دے۔ امام غزالیؒ

**کے دور طالب علمی میں جب بادشاہ وقت نے ان کے مدرسے کا معائنہ کیا تو یہ نہیں پوچھا کہ عمارت کیسی ہے۔ فرنیچر معیاری ہے یا نہیں۔ تعلیم کے امدادی سامان کا ڈھیر ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اساتذہ نے تعلیم و تربیت کا رخ مرضیات الٰہی کی اساس پر رکھا ہے یا نہیں۔ شاگرد کا مزاج یہ بنا کہ استاد کے ساتھ عزت و احترام کا معاملہ کرے۔ اور کسب علم میں خلوص اور جفاکشی کا ثبوت دے۔**

ذہن یہ بن رہا تھا تو امام غزالیؒ۔ مجدد الف ثانیؒ معین الدین چشتیؒ، شاہ ولی اللہؒ جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں اور اقصائے عالم پر چھا گئیں۔ یہ لاکھوں لاکھ عوام الناس کے دلوں پر آج بھی حکمرانی کر رہی ہیں۔ سرمایہ دار کا مزاج یہ بنا کہ جو خود کھاتے وہ مزدور کو کھلاتے جو خود پہنے وہ مزدور کو پہنائے اور مزدوری روک روک کر اور دبا دبا کر نہ دے بلکہ پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دے۔ مزدور کا مزاج یہ بنا کہ کارکردگی اور محنت میں خیانت سے ڈرے اور اللہ کی جوابدہی سے پناہ مانگتا رہے۔ والدین کا مزاج یہ بنا کہ اولاد کی ایسی تربیت کریں کہ وہ دوزخ کی آگ کا ایندھن بننے سے محفوظ رہیں۔ اولاد کا یہ مزاج بنا کہ وہ والدین کے ساتھ عزت اور محبت کا برتاؤ کریں اور ان کے خلاف کسی معاملہ میں اُف نہ کریں۔ اور ان کی خدمت اور شفقت کا حق پوری طرح ادا کریں۔

حکومت کی کرسی پہ بیٹھے تو "میری میں فقیری" کی ادا جاگی اور عہدے قبول کئے تو اللہ کے خوف سے تھرتھراتے ہوئے۔ ایک صحابی جو گورنر بنا کر بھیجے گئے تھے ان کا کل اثاثہ ایک لاٹھی اور ایک پیالہ تھا۔ ایک اور صحابی نے جن کے عہدہ گورنری کی توسیع کا ارادہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اسے قبول کرنا صرف اس لئے گوارا نہیں کیا کہ اس عہدے کی وجہ سے ایک مرتبہ انہیں بد اخلاقی کا مظاہرہ کرنا پڑا تھا۔ گورنروں کے لئے سرکاری محلات نہیں تھے اور نہ اجازت تھی کہ بڑے بڑے مکانوں میں رہائش اختیار کریں۔ ان کی خدمت کے لئے بیسوں ملازم نہ تھے۔ صرف ایک ملازم رکھنے کی اجازت تھی۔ پھاٹک پر سنتری اور دروازوں پر پردوں کی ممانعت تھی کہ مبادا کسی حاجت مند کے لئے رکاوٹ کا سبب بنیں۔

**سربراہ مملکت پر نظر ڈالئے تو ان کی عدیم المثال شخصیتوں کا جواب مہذب دنیا آج بھی دینے سے قاصر ہے۔ کیا ہے آج کے سربراہوں میں ہے کوئی ابوبکرؓ جو سرکاری خزانے سے صرف اتنا وظیفہ لینا گوارا کرتا ہو جو اس کی معمولی سے معمولی ضروریات زندگی کی کفالت کے لئے ناگزیر ہو؟**

اس پر بھی خوف خدا اتنا غالب ہو کہ مرتے وقت وصیت کر جائے کہ میرا فلاں باغ بیچ کر وہ رقم بیت المال میں جمع کر دینا جو میں نے بہ حیثیت خلیفہ وصول کی تھی ہے کوئی عمرؓ جو اس وقت تک روزے رکھنے کا اہتمام کرے جب تک کہ اس کی مملکت کے قحط زدگان کو غلہ اور کھانا نہ پہونچ گیا ہو؟ ہے کوئی وزیر اعظم جسے ایک سے زیادہ سالن اپنے اوپر اس لئے حرام کر لیا ہو کہ عوام کو دو سالن نصیب نہیں؟ ہے کوئی علیؓ جو اپنے بیٹے کو ایک قیمتی دوشالہ دینے سے اس لئے انکار کرے کہ کہیں اسے یہ غرور نہ ہو جائے کہ میں امیر المومنین کا بیٹا ہوں۔

عوام کی سطح پر آئیے۔ ذرا ٹیکس گذار اور محصل کی زندگی کا جائزہ لیں۔ ہے کہیں ایسی مثال جہاں دولت چھپاؤ اور ٹیکس بچاؤ کے بجائے یہ کہا جائے کہ "آؤ ٹیکس مجھ سے لے جاؤ اور جو واجب الادا ہے اس سے زیادہ لو۔ مجھے تو اللہ کا حصہ ادا کرنا ہے اور اللہ کے نام پر نہ میں کوئی ادنیٰ چیز پیش کر سکتا نہ اس میں کوئی کمی یا چوری مجھے گوارا ہے۔" ایک صحابی کے جانوروں پر زکوٰۃ تھی محصل نے فرمایا: لو ان جانوروں میں جو بہتر ہیں وہ لے جاؤ۔ "محصل نے جواب دیا نہیں ہمیں تو صرف اوسط کا حکم دیا گیا ہے۔ بہترین وصول کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ بالآخر معاملہ دربار نبویؐ تک پہونچا اور جب آپ نے مطالبے سے زیادہ وصول کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تب محصل نے اوسط سے زیادہ قبول کرنے کی ہمت کی۔

زندگی کا یہ نقشہ اس لئے بن سکا کہ انسان انسان کے درمیان دین جوڑ کا مسالہ بن کر داخل ہو گیا تھا۔ دین کی روح آخرت کا خوف ہے۔ دنیا کے اعمال آخرت کے لئے۔ دنیا کی تلخیاں آخرت کی مٹھاس کے لئے۔ دنیا میں بونا آخرت میں کاٹنے کے لئے۔ اس تصور نے یہ نیا نقشہ ابھارا کہ جوڑ کا معاملہ مزاج کی ترتیب میں ہے اور توڑ کا معاملہ مال کی ترتیب میں۔ جوڑ والے مزاج کی ترتیب آخرت میں جزا و سزا کے یقین پر ہے۔ توڑ والے مزاج کی ترتیب صرف دنیا کے لینے دینے پر ہے۔ دین میں خوف خدا اور شکر گذاری کا مزاج ہے۔ کفر میں بے خوفی اور ناشکری کا مزاج ہے شکر والے مزاج میں محبت اور ایثار ہے۔ ناشکر والے مزاج میں نفرت اور خود غرضی ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ آج کی سب سے اہم ضرورت نہ کپڑا ہے، نہ غلہ نہ مکان نہ دوکان نہ ضرورت ہے جوڑ والے مزاج کی۔ خوف خدا والے مزاج کی۔ آخرت والے مزاج کی۔ جزا و سزا والے مزاج کی اور شکر گذاری والے مزاج کی۔ اس مزاج کی تربیت بہت آسان ہے اگر انسان نبیوں والا راستہ اختیار کرے۔ نبیوں کے راستے پر اللہ کی نصرت ہے۔ "فوز عظیم" کا وعدہ ہے۔ البتہ مشکل یہ ہے اگر راستہ اختیار کرتا ہے شیطان کا کیونکہ اس راستے پر "خسران مبین" کا اعلان ہے۔ کامیابی اور مدد کا کوئی وعدہ نہیں۔ نبیوں کے راستے پر دولت اپنے آپ آئے گی۔ عزت اپنے آپ آئے گی۔ حکومت اپنے آپ آئے گی۔ کون ہے جسے آج ابوبکرؓ کی ضرورت نہیں ہے عمرؓ کی ضرورت نہیں۔ سچے اور ایماندار تاجر کی ضرورت نہیں ہے۔ مخلص اور اللہ سے ڈرنے والے افسران کی ضرورت نہیں ہے۔ بے غرض اور بے لاگ خدمت کرنے والے لیڈران قوم کی ضرورت نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب اللہ سے ڈرنے والا اور نبی کے راستے پر چلنے والا طبقہ اٹھا تو جہالت کا اندھیرا دور ہو گیا اور ایمان کی روشنی پھیل گئی۔ دولت اپنے آپ بڑھ گئی۔ عدالتوں میں انصاف پھیل گیا۔ حکمرانوں میں ذمہ داری کا جذبہ پیدا ہوا۔ عوام میں بے حسی اور خود فراموشی کا خاتمہ ہوا ظلم کے نقشے مٹے۔ عزت نے فرار کی راہ اختیار کی

(بقیہ صفحہ پر)

# صومالیہ اور ایتھوپیا کے مابین جنگ کے در پردہ

## روس کے ناپاک عزائم

محمود الازہار ندوی، ایم۔اے

صومالیہ کے اور ایتھوپیا کے مابین سرحدی تنازعہ نے نہ صرف جنگ کی صورت اختیار کر لی ہے بلکہ اب دونوں کی سرحدیں وسیع پیمانہ پر محاذ آرائی کی شکل میں بدلتی جارہی ہیں۔ ابتدا میں تو یہ جنگ صرف اوگاڈین، ایتھوپیا کے جنوبی صوبہ کی آزادی کے لئے تھی جو شاہی حکومت کے قبضہ میں گذشتہ صدی کے اواخر میں چلا گیا تھا جب کہ وہ اس سے قبل آزاد تھا۔ یہاں صومالی نسل کے مسلمانوں کی اکثریت ہے اور ان ہی کی ایک آزاد چھاپہ مار تنظیم اس کو آزاد کرانے کے لئے جنگ کر رہی تھی تا دم تحریر اوگاڈین کا ۹۰ حصہ چھاپہ مار آزاد کرا چکے تھے اور اب ہرار کے تاریخی شہر کے لئے گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی اور صومالیہ کے تعاون سے ان چھاپہ ماروں کا دن بدن دباؤ بڑھتا جارہا تھا کہ روس جو ابھی چند ماہ ہی ہوئے صومالیہ میں بحری سہولتوں سے محروم کر دیا گیا تھا۔ ایتھوپیا کی مدد کے لئے کود پڑا۔ اور اپنے ماہرین کے ساتھ ساتھ کیوبا کے تربیت یافتہ چھاپہ مار کو بھی لاکر کھڑا دیا اور اپنے جدید ترین اسلحہ، ٹینک استعمال کرنے لگا اور ان سب کی نگرانی کیوبا کے ۲۰۰ ماہرین کر رہے ہیں اور صومالیہ کے خلاف جدید جنگی نقشہ کیوبا کے وزیر دفاع راول کاسترو، فیڈرل کاسترو کے چھوٹے بھائی نے ایتھوپیا خود جاکر تیار کئے ہیں اور نگرانی کر رہے ہیں۔ کیوبا کے ذمہ داروں نے انکی روانگی اور ایتھوپیا کے حکمرانوں نے ان کی آمد کو حد سے زیادہ خفیہ رکھا تاکہ بیرونی دنیا کو اس کی مطلق خبر نہ ہو اور صومالیہ کے خلاف وسیع پیمانہ پر فوجی کاروائی کی جاسکے۔

صومالیہ نے کیوبائیوں کی شرکت پر بار بار اعتراض کیا مگر کیوبا کی حکومت نے اس کو تسلیم نہیں کیا مگر جب صومالیہ نے دوران جنگ متعدد کرائے کے کیوبائی نژاد فوجیوں کو اسیر کر لیا تو اس کا جواب نہ بن پڑا۔

اس جنگ میں روس کی شرکت سے جنگ کا محاذ وسیع ہو گیا اور اس کی شدت میں اضافہ ہو گیا اور اس کا محور بھی بدل گیا اور ایتھوپیا کے فوجوں کا نقطۂ نظر اب صومالیہ سے اوگاڈین کا مقبوضہ علاقہ چھاپہ ماروں سے واگذار کرانے کا نہیں رہ گیا ہے بلکہ اب صومالیہ کے ساحلی علاقوں پر قبضہ کر کے کمیونسٹوں کے زیر اثر لانا ہو گیا ہے اور اس میں کمیونسٹ ممالک بھی اس کی تائید کر رہے ہیں۔ جنوبی عدن جو ایک کمیونسٹ حکومت ہے روسیوں کے ساتھ ایتھوپیا کی مدد کھل کر کر رہی ہے اور اپنے ساحلی اڈوں کو روسیوں کے کنٹرول میں دیدیا ہے اور اب وہ روسیوں کے عمل دخل میں کلی طور پر ہے۔

بین الاقوامی سیاست میں، روس کا ہمیشہ سے یہ طریق کار رہا ہے کہ کمزور فریق کی حمایت اور مدد کر کے ایک طرف تو اسکی ہمدردی حاصل کرتا ہے اور بین الاقوامی سیاست میں اس کو سامنے رکھ کر سودے بازی کرتا ہے، مگر یہاں کا منصوبہ دوسرا ہی نظر آتا ہے، روسی اس وقت جنوبی یمن کی بندرگاہ عدن کو مضبوط کر رہے ہیں اور اس کو اپنے جدید ترین اسلحہ کے استعمال کے لائق بنا رہے ہیں تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کو بحری اڈہ کے طور پر استعمال کر سکیں۔

روسی اس وقت صومالیہ کے بربرا BERBERA کے بحری مستقر اور مقدیشو کی سہولت سے محروم کر دیا گیا ہے اور روس کے پاس اس علاقہ میں قریب ترین کوئی بحری مستقر نہیں ہے جس سے روس عالمی طاقت کو متوازن کر سکے، مگر روس کے ارادے اس سے کہیں زیادہ خطرناک اور دور بین ہیں، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ بحر احمر کے دہانے کے ایک جانب جنوبی عدن کا بحری مستقر ہے جو اب کلیۃً روسیوں کے کنٹرول میں ہے اور دوسرا دہانہ جو اس وقت غیر روسی اثر و نفوذ میں ہے اس کو اپنے کنٹرول میں کرنے کی جد و جہد کر رہا ہے تاکہ بحر احمر کے دونوں جانب واقع ممالک کو اپنے تسلط میں لے لے، اس میں پٹرول کی دولت سے مالا مال ملک سعودی عرب بھی ہے جس کے پٹرول پر اس کی نظریں مرکوز ہیں اور اس جانب اشارہ روس میں پٹرول کے ذخائر سے ملتا ہے۔

روس کے پاس پٹرول کے ذخائر دنیا میں سب سے زیادہ ہیں۔ مگر وہ اس لائق نہیں ہیں کہ اس کو نکال کر کار آمد بنایا جاسکے۔ ایک تو اتنے دور دراز علاقوں میں ہے جو خدا نخواستہ نکال بھی لئے گئے تو بین الاقوامی قیمتوں سے کہیں زیادہ مہنگے پڑیں گے اسی لئے روس اپنی ضروریات دوسرے ملکوں سے پٹرول درآمد کر کے پوری کرتا ہے اور اس وقت جو اس کے پاس ذخائر موجود ہیں وہ صرف ۱۹۸۵ء تک چل سکتے ہیں اور بہت کفایت سے خرچ کرے تو زیادہ سے ۱۹۸۸ء تک چل جائیگا اس کے بعد روس کو پٹرول درآمد کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا جس طرح امریکہ اپنی ضروریات اور کارخانہ وغیرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے پٹرول درآمد کرتا ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ دشوار کن حالات کے پیش آنے سے پہلے ہی اس علاقے پر اپنا اثر و رسوخ قائم کرے جس سے وقت پر اپنی ضروریات کو پوری کر سکے اور بیرونی زائد قیمتوں کی پابندیوں سے اپنے کو آزاد رکھ سکے،

مگر روس کے اس ناپاک عزائم کو خود صومالیہ اور عرب ممالک نے بھانپ لیا ہے اور خود سعودی عرب بھی اس سے باخبر معلوم دیتا ہے اس نے اپنی دو ڈویژن فوج شمالی یمن بھیجدی ہے تاکہ وہ جنوبی یمن میں روسیوں کے حمل و نقل اور تنصیبات پر نگرانی رکھ سکیں خود مصر کے انور السادات نے صومالیہ کے حالات پر اپنی بے چینی کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو مصر اپنی فوج بھیجے گا جبکہ وہ اس کو اسلحہ بھیجتا رہا ہے۔ ادھر ایرانی سفیر نے اپنی حکومت کی ترجمانی کرتے ہوئے ایتھوپیا کو خبردار کیا ہے کہ وہ صومالیہ کی سرحدوں کو پامال نہ کرے۔ نیز عراق اور کویت یہ دونوں ملک بھی صومالیہ کو اسلحہ اور رسد برابر بھیج رہے ہیں۔ اور عراق تو اسلحہ قاہرہ کے توسط سے بھیج رہا ہے اور اسی طرح کویت بھی صومالیہ کی برابر مدد کر رہا ہے۔ جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ان ممالک کو روس کے ناپاک عزائم کا علم ہو گیا ہے اور اس کو ناکام کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔

دوسری جانب اسرائیل بحر احمر کا سہارا لے کر ایتھوپیا کی مدد کر رہا ہے اور دلیل یہ دے رہا ہے کہ اس سے بحر احمر کو آزاد اور غیر مقتدر علاقہ بنانے میں مدد ملے گی اور ایتھوپیا سے اس کی دوستی تو بہت قدیم ہے۔

اس محاذ پر اسرائیل اور روس اسطرح متفق نظر آتے ہیں جیسے کہ پہلے سے کوئی خفیہ معاہدہ ہو اور روس نے جو زبانی عربوں کیساتھ ہمدردی دکھانے کے لئے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے ہیں وہ ڈھونگ ہے اور دونوں مناسب وقت کا انتظار کر رہے ہوں۔ اور اس سے زیادہ موزوں ترین وقت دونوں ملک کو نہیں مل سکتے ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ عرب اور خاص طور سے اسلامی ممالک اس خطرۂ عظیم سے کس طرح نبرد آزما ہوتے ہیں اور بحر احمر کی سرخی کس طرح ماند کرتے ہیں۔!!

ہر نئی صبح کی پہلی کرن کیساتھ
ساری دنیا کے حالات
تازہ ترین خبروں اور دیدہ زیب تصویروں
کے ذریعہ آپ تک پہنچاتا ہے
دہلی سے آفسیٹ پر شائع ہونیوالا
اردو کا سب سے مقبول روزنامہ
القلاب

پرنٹر پبلشر پاسٹول سید محمد حسنی نے جے۔کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔
اڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی — کتابت: جلال الدین بستوی



تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

# مطالعہ کی میز پر

شمس تبریز خاں

**مقالات:** شائع کردہ، دینی تعلیمی کونسل یو پی، ۹۹ گوئن روڈ لکھنؤ، ۸۰ صفحات
قیمت: تین روپے

یہ ان مقالات تعلیمی کا مجموعہ ہے جو کونسل کے سمینار ۱۹۷۵ء میں پڑھے گئے تھے اسکے لکھنے والوں میں مشہور اہل قلم اور ماہرین تعلیم شامل ہیں اور ملت کے تعلیمی مسائل سے متعلق بہت قیمتی مواد اس میں آگیا ہے، خاص طور پر پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کا مقالہ "ہم اردو کیوں پڑھیں؟" اس مجموعے میں بجا طور پر سر فہرست ہے جس میں جوش و ہوش کا خوشگوار امتزاج موجود ہے، مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کا مقالہ دینی تعلیم و تربیت پر ہے جس میں مفید مشورے دئے گئے ہیں خلیل الرحمٰن صاحب کا مقالہ حکومت کے بیانات کی روشنی میں اردو تعلیم کے جائزے پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی نے بجا طور پر بچیوں کے تعلیم کے مسئلے پر فکر مندی ظاہر کی ہے۔ قاضی عدیل عباسی صاحب نے اردو پرابلم پر روشنی ڈالی ہے، ظفر احمد صاحب صدیقی نے اقلیتی تعلیمی اداروں کے دستوری حقوق پر معلومات فراہم کیے ہیں، اور ڈاکٹر عبد الحق صاحب (دہلی) نے اعلیٰ سطح پر اردو تعلیم کی وکالت کی ہے۔ سبھی مقالات اچھے ہیں اور قابل مطالعہ ہیں۔

---

**قربانی:** جناب اطہر علی فاروقی، صفحات ۸۸، قیمت: تین روپے
پتہ: ادارۂ ادب شفیع منزل، پہانی۔ ہردوئی

مؤلف نے قربانی کی تاریخ پر ہندو، عیسائی، یہودی اور اسلامی تاریخ کا اچھا حاصل مطالعہ پیش کر دیا ہے جو اس مسئلے پر گویا تقابلی مطالعے کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے ساتھ ہی اسلامی قربانی کے مسائل و فضائل اور تفصیلات بھی لکھ دی گئی ہیں جس سے رسالہ مزید کارآمد ہو گیا ہے، مگر ضرورت تھی کہ ذرا اور تحقیق اور مزید مطالعہ کی روشنی میں قلم اٹھایا جاتا جس سے رسالہ کی افادیت و اہمیت میں اور اضافہ ہو جاتا، بے ترتیبی بھی کھٹکتی ہے، تاہم رسالہ اپنی جگہ مفید و لائق مطالعہ ہے۔

---

**تبلیغ اور اسکے عملی تقاضے:** از حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلویؒ صفحات ۴۸
بلا قیمت۔

یہ حضرت مولاناؒ کی آخری تقریر ہے جس سے ان کا دردِ دل ظاہر ہے اس کے ساتھ ہی مختلف اہل علم کے مضامین کے اقتباسات بھی جمع کر دئے گئے ہیں، رسالہ بہت نافع و مفید ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ مختلف اقتباسات کی جگہ اگر حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کی اور تقریریں بھی شائع کر دی جاتیں تو کتاب ایک مرتب شکل اختیار کر لیتی۔

---

**احکام التعزیت:** مرتب حاجی عین الحق صاحب اعظمی ۳۲ صفحات، مفت تقسیم کے لئے۔

کانپور کے ایک مخیر تاجر حاجی عین الحق صاحب نے اپنے صرف سے مختلف علمی و دینی اور اصلاحی رسالے مرتب کر کے مفت تقسیم کرنے کا انتظام کیا ہے جو ایک قابل قدر مثال ہے، یہ رسالہ تعزیت اور تکفین و تدفین وغیرہ کے مسائل سے متعلق ہے اور صحیح مسائل کا انتخاب پیش کر دیا ہے امید ہے کہ عام مسلمین کے لئے مفید ہوگا۔

---

**اذکار صلوٰۃ:** مولوی محمد ایوب ندوی، ۳۲ صفحات، قیمت درج نہیں۔

نماز کے اذکار و ادعیہ فقہ شافعی کے مطابق احادیث و اوراد کے مجموعوں سے لے کر جمع کر دئے گئے ہیں، اگر ان کا ترجمہ بھی دیدیا جاتا تو عوام کے لئے مفید ہوتا۔

---

**نئی کرن:** مرتب مولانا نسیم احمد مظاہری، صفحات ۴۸، قیمت درج نہیں۔
ناشر: محمد آفاق صدیقی، محلہ بارہ دری، مراد آباد

اس رسالے کے شروع میں ایک مصری فاضل ڈاکٹر رشاد خلیفہ کی قرآن مجید کے اعجاز ترتیبی کے انکشاف پر مشتمل انٹرویو کا ترجمہ ہے جس میں انہوں نے کمپیوٹر کی مدد سے الفاظ قرآنی کے اعداد کی ایک خاص ترتیب و تنظیم کی دریافت کی ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کے فضائل و فوائد کا اضافہ مرتب رسالہ کے قلم سے ہے۔ امید ہے کہ عوام و خواص اس سے مستفید ہوں گے۔

---

**"Education of Indian Muslims"**

از جناب اختر الواسع، ایم۔اے صفحات ۹۸ قیمت: ۲۰ روپے
ناشر: پریس ایشیا انٹرنیشنل، ۲۔ نظام الدین ویسٹ مارکٹ۔ نئی دہلی

سر سید مرحوم نے علی گڑھ کالج کے قیام کے بعد مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ایک کل ہند تحریک کی بھی ضرورت محسوس کی جس کے لئے انہوں نے ۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی اور اس تحریک کے مقاصد میں انہوں نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے ساتھ معاشی خوشحالی، معاشرتی اصلاح اور تہذیبی سرگرمی بھی شامل کر لی اور مسلمانوں کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے مستقل شعبے قائم کیے اور ہندوستان بھر کے لائق و فائق مسلمانوں اور ایک حد تک غیر مسلموں کا بھی تعاون حاصل کیا اس کے سالانہ جلسے ہر سال بڑی پابندی کے ساتھ ملک کے کسی بڑے شہر میں ہوتے تھے جن کی صدارت ملت کا کوئی نمائندہ فرد کرتا تھا اور مسلمانوں کے تعلیمی و تہذیبی مسائل پر غور ہوتا اور ترقی کے منصوبے بنائے جاتے تھے۔

یہ تحریک ابتک خاموشی کے ساتھ اپنا کام کر رہی ہے اور اسے الحاج مولوی عبید الرحمٰن خانصاحب شروانی کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس اہم تحریک کے تعارف کے لئے انگریزی میں ابتک کوئی کتاب نہ تھی جس سے اس مفید و ہمہ گیر تعلیمی تحریک کا صحیح اندازہ ہوتا، مقام مسرت ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے ایک نوجوان فاضل جناب اختر الواسع اس فرض سے بہت خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے ہیں اور بڑے جامع اختصار کے ساتھ اس تحریک کا تعارف کرایا ہے، آخر میں کانفرنس کے ابتک کے اجلاس اس کے فاضل صدر اور سالانہ خطبات و مقالات کی فہرست اور کانفرنس کا نیا دستور بھی شامل ہے جس سے کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔ متعدد نادر تصاویر اور نقشے بھی کتاب کی زینت ہیں، امید ہے کہ اسے قدر اور دلچسپی کے ہاتھوں میں لیا جائیگا۔

---

**نوح ناروی:** از: ڈاکٹر ظفر الاسلام ظفر صفحات ۲۷۸، قیمت: ۱۶ روپے
ناشر: نیشنل بکڈپو، تھانہ روڈ، بھیونڈی، ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

نوح ناروی، داغ دہلوی کے شاگرد رشید اور ممتاز جانشینوں میں تھے، انہوں نے کچھ سال پہلے تک روایتی اردو غزل اور قدیم رنگ سخن کو قائم رکھا اور زبان و بیان کے معیار کو گرنے نہیں دیا، اردو کے نئے دور میں پرانے اساتذہ فراموش ہوتے جارہے ہیں ڈاکٹر ظفر صاحب نے اچھا کیا کہ ایک مٹتی ہوئی روایت کے ایک نقش کو پھر سے اجاگر کر دیا اور اپنی تحقیقی محنت و لیاقت کے ذریعہ سے "ناخدائے سخن" کے کلام و پیام کو اپنے سفینے میں محفوظ کر لیا۔

ڈاکٹر ظفر نے نوح کی شخصیت اور فن کے ہر پہلو کا بہت سلیقے سے احاطہ کیا ہے جس سے وہ پوری طرح روشنی میں آجاتے ہیں، پہلے باب میں حالات زندگی ہیں چوتھے باب میں نوح کی تصانیف پر تبصرہ ہے، پھر تلامذہ، اصلاح سخن، اور نوح کے فن پر تفصیلی گفتگو ہے اور آخر میں کتابیات، کتاب اردو کے تحقیقی مقالوں میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

---

**نشان منزل:** بھوپال خاص نمبر ۱۹۷۸ء، صفحات ۱۶۸، قیمت: ۴ روپے
پتہ دار العلوم تاج المساجد، بھوپال۔

پندرہ روزہ نشان منزل، اردو کے اچھے دینی و اصلاحی پرچوں میں شمار ہوتا ہے اور ایک عرصے سے مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے، اس نمبر میں علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی، مولانا عمران خاں صاحب ندوی، مولوی حبیب ریحان صاحب ندوی کے مضامین شامل ہیں، اڈیٹر تعمیر حیات مولوی اسحٰق جلیس صاحب ندوی کے سفر بھوپال کی روداد بہت دلچسپ اور خوب ہے، مولوی منصور نعمانی ندوی نے نواب صدیق حسن خاں پر قلم اٹھایا ہے، اقبال کا فلسفۂ ایمان و کفر از مولوی شرافت علی ندوی، مولانا برکت اللہ بھوپالی از سید منظور حسین بھی اس مجموعے کے اچھے مضامین ہیں، مفید کاغذ اور عمدہ کتابت و طباعت کے لحاظ سے اس کم قیمت میں یہ نمبر بہت غنیمت ہے۔ سرورق اور ٹائیٹل کے صفحات تاج المساجد بھوپال کی خوبصورت تصویر سے مزین ہیں۔

# ندوۃ العلماء

## منزل بہ منزل

(دوسری قسط)

**تقریر صدر جلسہ:** مولانا محمد لطف اللہ صاحب صدر انجمن اپنی کرسی سے اُٹھے اور مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:-

حمد و ثنا کے بعد۔ میرے خیال میں ان جلسات کا قرار دیا جانا از قبیل الہامات ربانیہ ہے، ندوے کے چند مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وعظ و پند شائع کرے تاکہ عام جہلا منہیات سے باز رہیں اور بجا آوری مامورات میں جہد بلیغ عمل میں لائیں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مسائل اختلافیہ میں جو عوام نوبت بزد و کوب پہونچاتے ہیں، جس کی وجہ عدالتوں میں جاتے ہیں اور طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور غیر مذہب والے اس قسم کے افعال پر قہقہے اڑاتے ہیں اور ان کی جانب انگلیاں اٹھاتے ہیں اور بعض خواص بھی اپنے تحریرات میں سب و شتم و کلمات ہجویہ درج فرماتے ہیں، ندوہ چاہتا ہے کہ اس قسم کے تحریرات و افعال ترک کر دئے جائیں اور اپنے مطالب کو نرم زبانی اور شائستگی سے جو مدلول آیات و احادیث ہے تحریر و تقریر میں لایا کریں۔

اس کے بعد ندوۃ العلماء کے زیر انتظام مجوزہ دار العلوم کی ضرورت پر مولانا عبد الحق صاحب حقانی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی اور مولانا سید محمد شاہ محدث رامپوری نے تقریریں کیں۔

**خلاصہ تقریر مولانا ابو محمد عبد الحق صاحب دہلوی:** حضرات! اب روز بروز ہندوستان سے اسلامی علوم اُٹھتے جاتے ہیں، سو پچاس برس پہلے جو علماء تھے ان کی اب نظیر نہیں ملتی۔ مولانا نظام الدین، مولانا بحر العلوم، شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبد العزیز محدثؒ، شاہ محمد اسحاقؒ جیسے پھر مولانا فضل حق صاحب، مفتی صدر الدین صاحب جیسا بھی دکھا سکتے ہیں؟ اسلام کے یہ دربے بہا جو اس وقت کرسیوں پر تشریف فرما ہیں تھوڑے دنوں بعد یہ بھی نظر نہیں آئیں گے۔ غدر کے بعد تک کچھ متبرک صورتیں بقیۃ السلف باقی رہ گئی تھیں وہ بھی یکے بعد دیگرے صبح کے ستاروں کی طرح نظروں سے غائب ہو گئیں ؎

کیسی کیسی صورتیں آنکھوں سے نہاں ہو گئیں

اللہ کا نام لے کر ایک دار العلوم کی بنیاد ڈال دیجئے جو اس زمانے کے مسلمانوں کی یادگار باقی رہ جائے اور تاریخ میں ان کے نام نامی نیکی سے یاد کئے جائیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب متعدد مدارس اسلامیہ اکثر شہروں میں موجود ہیں تو اس دار العلوم کی کیا ضرورت ہے؟ اگر کسی کو انگریزی کا شوق ہو تو علی گڑھ کالج موجود ہے جس پر مسلمانوں نے لاکھوں روپیہ صرف کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ کی تعلیم اس پرانے طریقہ پر ہوتی ہے جو آجکل رفتار زمانہ کے لحاظ سے قابل ترمیم ہے۔

درس نظامیہ اس وقت کہ زمانہ نے نیا رنگ نہیں پلٹا تھا بہت مناسب تھا گو وقتاً فوقتاً اس میں بھی علماء کرام ترمیم کرتے رہے ہیں اس لئے اب ندوہ کو ایک نئے نصاب کی ضرورت پڑی گو وہ نصاب بھی ان مدارس کے استطاعت اور لحاظ سے قائم ہوا ہے اگر ناگوار خاطر علماء کرام نہ ہو تو صاف کہتا ہوں کہ مدارس کے اکثر فارغین کا ہر علم میں بہت ہی کم پایہ ہوتا ہے، نہ فقہ میں اس قدر مہارت ہوتی ہے کہ معاملات کا فیصلہ کر سکیں، زیادہ سے زیادہ وہ معمولی مسائل پر متون و شروح اور فتاوے سے کچھ عبارت لکھ دیں گے، غرضیکہ ہمارے مدارس کے فارغ التحصیل طلبا، نہ مباحث کے قابل ہیں نہ مذاہب سے واقف، تمام مایۂ ناز دو چار دقیق العبارات کتابوں کا حل کر لینا اور اُلٹ پھیر کر ان کے معنی بنا لینا ہے، یہ سب تعلیم ناقص کا سبب ہے، اس لئے ندوۃ العلماء چاہتا ہے کہ ایک ایسا دار العلوم قائم کیا جائے جس میں یہ سب نقص دفع ہو جائیں اور زمانہ حال کی تعلیم اور اس کے فنون سے بھی آگاہی ہو۔

**خلاصہ تقریر مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث رامپوریؒ:** صاحبو! ہم میں پہلے بڑے بڑے عالم فاضل ہوا کرتے تھے، ہمارا شہر رامپور کیسا دار العلوم تھا کہ اس میں بڑے بڑے اہل کمال

> ندوۃ العلماء کا تیسرا اجلاس
> منعقدہ — بانس بریلی

گذرے، یہ سب حضرات اپنی اپنی نوبت پوری کر کے چلے گئے کبّر فی موت الکبریٰ انکی جگہ ہم جیسے طالب علم عالم قرار پائے۔ اس لئے اہالی ندوۃ العلماء چاہتے ہیں کہ مثل اگلے عالموں کے اب بھی ہم میں صاحب کمال ہوتے رہیں۔ ندوے کو فکر ہے کہ علوم عالیہ ہماری قوم سے جانے نہ پائیں، ساتھ ہی یہ امر بھی ملحوظ رکھا جائے کہ ہم مسلمانوں میں کون کون سے علوم باعث افتخار رہے ہیں، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ بلکہ چاروں مذہب کے فقہی اصول، فرائض، عقائد، تصوف میں کمال بہم پہونچانا چاہیے، اس وقت عالم کا اطلاق صحیح ہو گا بشرطیکہ عمل صالح اور تقویٰ اس کے ساتھ ہو۔ ہاں ایک بات زمانہ گذشتہ میں پیش آگئی تھی کہ بعض مذہبوں نے ہمارے بزرگان دین کو علوم عقلیہ کے زور اور غرور پر طرح طرح کے اعتراضات کا نشانہ بنا لیا تھا تو ان کے دفع اور مقاومت کی غرض سے علوم عقلیہ اور علم کلام کو ترقی دی گئی تاکہ معاندین کے حملوں سے یہ دین محفوظ رہے چنانچہ امام فخر الدین رازی اور حجۃ الاسلام امام غزالیؒ وغیرہما اس خدمت کو ادا کر گئے، اس طرح اگر فرقۂ دہریہ اور ہمارے بھائی جو نیچریت کی طرف راغب ہیں ان کے مدفع کے واسطے جو علوم تجویز کئے جائیں اگر وہ مخالف شرع نہ ہوں تو ایک فرقہ نیک نیتی سے بطور فرض کفایہ ان کی طرف توجہ رکھے، لیکن علم دین کا پلہ ہمیشہ بھاری رہے۔

**خلاصہ تقریر مولانا غلام محمد صاحب فاضل ہوشیار پوری:** حضرات! ندوۃ العلماء نے اب تک جو کام کئے ہیں وہ کوتاہ نظروں کے سامنے باوقعت نہ ہوں لیکن ذی فہم بزرگوں کی نگاہ میں نہایت قابل قدر اور مسلمانوں کو دینی و دنیوی مصالح کے اعتبار سے فائدہ رساں ہیں۔

مسلمانوں کے علمی تنزل اور علمی و روحانی ادبار میں کسی شخص کو کلام نہیں ہے اور اس صورت میں وہ ضرور اس بات کا خواہشمند ہو گا کہ دار العلوم ایسا قائم کیا جائے جو مسلمانوں سے اس بلا کو دفع کر دے۔

ہم کو مسلمانوں کی فیاضیوں سے امید ہے کہ یہ دار العلوم ضرور اور جلد قائم ہو جائے گا۔

**خلاصہ تقریر مولانا شبلی نعمانیؒ:** "ندوۃ العلماء ایک مدرسہ جس کا نام دار العلوم ہو گا قائم کرنا چاہتا ہے، اس پر عربی کے دوست اعتراض کریں گے کہ مدرسے کی بنیاد ڈالی کیا انوکھی بات کی، نئے تعلیم یافتہ کہیں گے کہ آجکل عربی کی کیا قدر ہے وہ ہمارے کیا کام آسکتی ہے، اصل یہ ہے کہ دو باتیں ہیں جس سے یہ مدرسہ دیرپا یادگار ہو سکتا ہے۔

اوّل۔ ظاہری شان و شوکت سے اس کا مکان نہایت شاندار اور مضبوط ہو گا اور اس میں ہر کام کے لئے جدا جدا کمرے ہوں گے۔

اس دار العلوم میں ایک عظیم الشان کتب خانہ ہو گا جس میں ہر طرح کی کتابیں موجود ہوں گی۔ جو طالب علم بعد تکمیل کے مطالعۂ کتب سے اپنی لیاقت بڑھانا چاہے وہاں رہ کر کتب بینی سے اپنے علم کو بڑھا سکے۔ ہم کو ایسے گروہ کی ضرورت ہے کہ جو ہمارے دین اور علم دین کو زندہ رکھے۔ بغیر پورے علمی کمال کے کسی عالم اور علم کی پوری قدر نہیں ہو سکتی۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس مدرسے میں ایک عالم کے سپرد ایک کام ہو گا جس میں اسکو شہرت عام حاصل ہو۔ علمائے سلف کی یہ عادت تھی کہ وہ ایک ایک فن میں کمال حاصل کیا کرتے تھے اور بقدر ضرورت اور علوم بھی جانتے تھے اس وجہ سے ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے مدرسہ سے بھی ہر فن کے جدا جدا عالم نکلیں۔

بہت سے مدارس گو اس وقت قائم ہیں مگر ان میں یہ نقص ہے کہ سب علوم ایک شخص پڑھاتا ہے اس وجہ سے وہ کسی علم میں صاحب کمال نہیں ہو سکتا اس واسطے اگر یہ مجمع علماء کا انتظام کرے تو اس کے لئے صرف زیبا ہی نہیں بلکہ ضرور ہے اور اس کا انصرام اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اس کا دار العلوم قائم ہو جس میں ہر فن کی تعلیم کے واسطے جدا جدا ایسے شخص مقرر ہوں جو اس فن میں ممتاز ہوں۔

(باقی)



# ندوہ کے شب و روز

علاء الدین رانچوی، ناظم جمعیۃ الاصلاح

دار العلوم ندوۃ العلماء، عالمی شہرت کا مالک ادارہ اپنی گوناگوں خصوصیات و امتیازات اور اپنی بیش بہا خدمات کی وجہ سے عالم اسلام کی امیدوں کا مرکز اور دعوت و تبلیغ کا مخزن بن چکا ہے، شاید اس کی ترقی و کامیابی، اس کے اقبال و عروج میں وہ راز پنہاں ہے جو ایک ٹھوس سنجیدہ، ہمہ گیر و صالح انقلاب کی غرض سے ایک زندہ و فعال تحریک کی شکل میں وجود میں آئی تھی، جو کسی فرد واحد، یا کسی ممتاز شخصیت کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ اللہ کے مخلص و باصفا، نیک اور سچے، بالغ نظر و دور اندیش بزرگوں کی وہ مبارک کوشش تھی جس کے بہترین ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں، اور ندوۃ العلماء بڑی تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی سمت قرآن و حدیث کی روشنی میں زندگی کو ساتھ لئے آگے بڑھ رہا ہے، اگر ندوۃ العلماء کا شایان شان استقبال ہوتا تو اب بھی قدیم و جدید میں وہ بعد و تفاوت نظر نہ آتا، جو غلط ندوۃ العلماء کے تخیل کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اب بھی باقی ہے، جو چیز اس تحریک کو نمایاں کرتی اور ترقی کی راہ میں گامزن کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اندر نہ تو جمود و تعطل ہے اور نہ بے لگام آزادیٔ فکر و عمل۔ بلکہ اعتدال ہے۔ وہ افراط و تفریط کا قائل نہیں بلکہ اعتدال و توازن کا دامن تھامے ہوئے ہے (خیر الامور اوسطہا)۔

ندوۃ العلماء میں کوئی ایسا مہینہ نہ گذرتا ہو گا جس میں عالم اسلام کی کوئی ممتاز دینی شخصیت اسے دیکھنے کے لئے نہ آتی ہو، ان دینی شخصیتوں کا استقبال ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کے لئے ایک عام بات بن کر رہ گئی ہے لیکن چونکہ وہ رسمی چیزوں سے بلند و بالا ہو کر دینی رشتے اور ایمان و یقین کے جذبے اور دعوتی مقاصد سے لبریز ہوتے ہیں اس لئے اخوت و بھائی چارگی کو مزید فروغ پانے اور قافلہ ملت کو صحیح سمت پر گامزن ہونے میں بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

ابھی ۳ فروری کو حرم مکی کے امام شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ آل الشیخ ندوۃ العلماء میں تشریف آوری سے ندوے کا میدان ایک دن کے لئے عرفات کا منظر پیش کرنے لگا تھا۔ دیار رسول کے اُسی مقدس سرزمین سے ۲۲ اپریل کو مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبد المحسن بن احمد بن العباد نے اپنے رفیق سفر شیخ صالح الحسین جو کلیۃ اصول الدعوۃ و اصول الدین کے سربراہ ہیں تشریف لائے ۷ بجے صبح ان کا پرجوش استقبال ندوۃ العلماء کے اساتذہ اور طلباء نے کیا، معزز مہمانوں نے پورا دن ندوے ہی میں گذارا مختلف شعبوں کا بغور معائنہ کیا اور اپنی خوشیوں و تاثرات کا اظہار کیا شام کو جمالیہ ہال میں ایک استقبالیہ جلسہ منعقد کیا گیا جس میں شہر کے سربرآوردہ لوگوں نے بھی شرکت کی، بدر الدین ملیشیا متعلم فضیلت دوم کی تلاوت سے جلسے کا آغاز ہوا پھر مولانا محمد رابع صاحب ندوی ادیب اول نے دار العلوم کی طرف سے سپاسنامہ پڑھ کر سنایا۔

آپ کے بعد وائس چانسلر صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ، میرے ندوے آنے سے ایک بڑی آرزو پوری ہوئی۔ آج کا یہ دن میرے لئے ایک تاریخی دن ہے جسے میں فراموش نہیں کر سکتا پھر انہوں نے ندوۃ العلماء کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی کوششیں، بہتر نتائج ظاہر کر رہی ہیں اور آپ عالم اسلام میں گراں قدر خدمت انجام دے رہے ہیں، آپ کے بعد شیخ صالح الحسین نے اپنے خیالات پیش کئے اور اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

ان حضرات کے بعد صدر جلسہ ناظم ندوۃ العلماء، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ مدینہ طیبہ سے مسلمانوں کا والہانہ تعلق اور جذباتی لگاؤ ہے۔ اس نسبت سے ان کی آمد بڑی اہمیت کی مالک ہے۔ مدارس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کے تمام مدارس کا شجرۂ نسب مسجد نبوی اور اصحاب صفہ سے جا کر مل جاتا ہے جو ہمارے لئے بڑے شرف و اعزاز کی بات ہے، پھر مولانا نے مدینہ یونیورسٹی کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ افریقہ وغیرہ میں وہاں کے طلباء دعوت و تبلیغ کے کاموں میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔

آخر میں آپ نے شہر سے آئے ہوئے مہمانوں کے خیال سے اردو میں مختصر تقریر فرمائی اور وائس چانسلر صاحب کی تقریر کا خلاصہ بھی پیش فرمایا۔!!

۴ مئی ۸۵ء کو جامعہ امام محمد بن سعود ریاض کے وائس چانسلر الشیخ محمد بن عبد اللہ العجلان اور الشیخ عبد اللہ بن عبد العزیز المصلح آل شاکر پر مشتمل ایک وفد کی آمد پر ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک استقبالیہ جلسہ جمعیۃ الاصلاح میں منعقد ہوا، یہ وفد بنگلہ دیش کی تعلیمی کانفرنس میں شرکت کے بعد مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کے ہمراہ ۳ مئی کو ندوۃ العلماء پہونچا، ۴ مئی کو ۱۰ بجے کتب خانہ ندوۃ العلماء میں مہمانوں کا استقبال کیا گیا۔ وفد نے مختلف شعبوں کا معائنہ کیا، ۱۱ بجے جمالیہ ہال میں وفد کے اعزاز میں جلسہ ہوا جس میں طلباء کے علاوہ اساتذہ اور اراکین ندوۃ العلماء کی بڑی تعداد شریک تھی۔ جلسے کا آغاز قاری شبیر احمد متعلم ندوہ کی تلاوت کلام پاک سے ہوا پھر مولانا نور عالم صاحب ندوی نے مولانا رابع صاحب ندوی (ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء) کی نیابت کرتے ہوئے ندوۃ العلماء کی طرف سے سپاسنامہ پڑھ کر سنایا آپ کے بعد الشیخ محمد بن عبد اللہ العجلان نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ندوۃ العلماء کے بارے میں جتنا سننے کا موقع ملا تھا اس سے کئی گنا زیادہ دیکھنے کو ملا۔ انہوں نے مختلف شعبوں ان کی سرگرمیوں اور ندوۃ العلماء کی خدمات کو سراہتے ہوئے کارکنان ندوۃ العلماء کو خراج تحسین پیش کیا اور جامعہ محمد بن سعود کی طرف سے ہر قسم کے باہمی اشتراک و تعاون کا وعدہ کیا۔ آپ کے بعد الشیخ عبد اللہ بن عبد العزیز المصلح آل شاکر نے اپنے پرمسرت تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ حقیقتاً صحیح اہمیت کے مالک ہیں، پورے عالم کی امید بھری نگاہیں آپ پر ہیں۔ موصوف نے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی مختلف تصانیف کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مولانا کا کتابچہ "ردۃ ولا ابا بکر لہا" کے مطالعہ سے میری زندگی میں نیا موڑ پیدا ہوا آپنے طلباء کو متوجہ کر کے انہیں بیش قیمت نصائح اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ آپ کے بعد صدر جلسہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ نے خطاب فرمایا، آپ نے جزیرۃ العرب کی مختلف خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت روس و امریکہ کا ذہنی و فکری غلبہ عرب پر تاتاریوں کے حملے سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، اس کی زد میں جزیرۃ العرب بھی ہے، لیکن ہمارے آج کے مہمانوں کی طرح اسلامی حمیت اور ملی غیرت سے سرشار افراد سے امید بندھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اس مقدس سرزمین اور عالم عربی کی حفاظت کا سامان پیدا فرمائے گا۔ ندوۃ العلماء علمی و فکری محاذ پر جو خدمت انجام دے رہا ہے اس کی قدردانی فرما کر ہمارے معزز مہمانوں نے کارکنان ندوۃ العلماء کی جو ہمت افزائی فرمائی ہے اور وہ یہاں تشریف لائے ہیں اس پر ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

---

۶، ۷ مئی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے آئے ہوئے معزز مہمانوں کے اعزاز میں دار العلوم ندوۃ العلماء کی طرف سے جمعیۃ الاصلاح میں ایک جلسے کا انعقاد ہوا۔ ۶ مئی کو بعد نماز عصر ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں چائے نوشی اور مختلف شعبوں کے معائنہ کے بعد، بعد نماز مغرب جمالیہ ہال میں مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی کی صدارت میں جلسے کی کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ مولانا محمد رابع حسنی (ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء) اور جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب نے استقبالیہ کلمات کہے آپ کے بعد جناب محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے مفید مشورے دئے اور فرمایا کہ اب جاہلیت سے برسر پیکار ہونے اور اسلامی تہذیب کی بقاء و تحفظ کے لئے غیر اسلامی رسوم و روایات کو ختم کرنے کی ساری کی ساری ذمہ داری نوجوان طلباء پر ہے۔ آپ نے ندوۃ العلماء کی عالمی شہرت کا ذکر کرتے ہوئے طلباء کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا اور نیت میں اخلاص پیدا کرنے پر زور دیا، دوسرے معزز مقرر جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب ایم۔پی نے اسلامی وحدت کی بنیاد پر مسلمانوں کو متحد و منظم ہونے کی دعوت دی۔ آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مسلمان کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اسلام کی حالت میں مرے اور اسلام کی حالت میں مرنے کے لئے اسلامی زندگی، اسلامی تہذیب اور مومنانہ شان چاہیے آپ نے فرمایا کہ آج کے مسلم معاشرے کو دیکھ کر غیر مسلموں کے ذہن میں غلط فہمیاں اور شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ آپ کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا منت اللہ صاحب رحمانی ندوی نے تقریر فرمائی۔ آپنے اس بات پر زور دیا کہ اگر آج کا مسلمان صرف اپنے گھر میں سنت کے احیاء کی فکر کرے تو مسلم سماج کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ آپنے فرمایا کہ آج ہم خود اپنے گھروں میں سنت کو روزانہ صبح و شام ذبح ہوتے دیکھتے ہیں۔

ان حضرات کی تقاریر کے بعد مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے درد و سوز میں ڈوبی ہوئی ولولہ انگیز تقریر فرمائی۔ آپنے فرمایا کہ آج کا غیر مسلم طبقہ اسلام کی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دار العلوم ندوۃ العلماء
## خدمات اور ضروریات

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین
سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

دار العلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے۔ اس کے قیام کو ۸۰ برس ہو گئے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس اثنا میں اس نے گرانقدر علمی اور دینی خدمات انجام دی ہیں۔ تصنیف وتالیف اور درس وتدریس، پند وموعظت غرض ہر شعبہ میں اس کے فرزندوں اور سرپرستوں نے قابل قدر کام کئے ہیں، خوش قسمتی سے تقریباً بیس برس سے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی اس کو توجہ اور سرپرستی حاصل ہے، جن کے دور نظامت میں اسکی شہرت دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچ چکی ہے اور بجا طور پر آج وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا ہے نیز اس نے ایک بین الاقوامی دینی درسگاہ کی حیثیت اختیار کرلی ہے، اللہ تعالی کا شکر واحسان ہے کہ اس نے تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ندوہ کو دینی روح اور دعوتی جذبہ سے بھی نوازا ہے، سالہا سال سے اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت اور دینی زندگی کے فروغ کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان بڑی سرگرمی سے کوشاں ہیں، تبلیغ ودعوت کی جانب خاص طور سے توجہ ہے (طلبہ اپنے تعلیمی مشاغل اور علمی وثقافتی سرگرمیوں کیساتھ ساتھ جو ندوۃ العلماء کا ہمیشہ سے طرۂ امتیاز رہا ہے، دینی زندگی میں بھی ممتاز ہیں) جناب ناظم صاحب ندوۃ العلماء کی فکری رہنمائی اور عملی نگرانی میں وہ علم دین کے مراحل بڑی خوبی وخوش اسلوبی سے طے کر رہے ہیں، ان علمی وروحانی مشاغل میں انہماک کے ساتھ طلبہ کی صحت وورزش، خورد ونوش وغیرہ کی جانب بھی خصوصی توجہ کیجارہی ہے۔

اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، جنوبی افریقہ، ترینداد، یوگنڈا اور دوسرے ممالک کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں مختلف ملکوں سے برابر داخلے کی درخواستیں آتی رہتی ہیں، اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اندرون وبیرون ملک کے مسلمانوں کی توجہ اس کی تعلیم وتربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے۔ ان اسباب کی بنا پر داخلوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے مزید نئی اقامت گاہوں کی بیحد ضرورت ہے، اس کے علاوہ دار العلوم کے مختلف شعبوں مثلاً دفاتر، دار الحفظ، لائبریری وغیرہ کے لئے علیحدہ مستقل عمارتیں درکار ہیں، انہی ضروریات کو سامنے رکھ کر مدرسہ ثانویہ کی نئی عمارت (جس کا نام اب معہد دار العلوم ہے) کی تکمیل تیزی کیساتھ ہو رہی ہے اس کا تعمیری کام اختتام کے قریب ہے، اسی کے ساتھ اللہ کا نام لے کر طلبہ کی نئی اقامت گاہ "رواق اطہر" کا سنگ بنیاد ۱۴ مئی سنہ ۸۰ کو رکھدیا گیا اور اب الحمد للہ کہ اس کی تیسری منزل زیر تعمیر ہے۔

"معہد دار العلوم" میں جس کو ایک معیاری مدرسہ ثانویہ بنایا جارہا ہے باوجود وسعت کے گنجائش ختم ہو چکی ہے اور امسال کثیر تعداد میں طلبہ کو واپس کیا گیا ہے اسی طرح دار العلوم میں بھی بہت سے داخلے محض انہی مجبوریوں کی بنا پر نہیں کئے جاسکے۔ یہ صورت حال ذمہ داران دار العلوم کے لئے باعث فکر ہے اور محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے شائقین علم دین کو واپس کرنا، مقیم طلبہ کی بڑھتی ہوئی دشواریاں اور ضرورتیں ان کی فکر وبے چینی میں مزید اضافہ کا باعث ہیں، علاوہ ازیں عمارتوں اور ضروری تعلیمی سامان کی کمی کی وجہ سے بہت سے مفید علمی ودینی منصوبے پوری توجہ اور یکسوئی کے محتاج رہتے ہیں۔ ہماری خواہش اور درخواست ہے کہ آپ میں سے جن حضرات کو اللہ تعالی توفیق دیں اور سہولت ہو وہ اپنی تشریف آوری سے حسب موقع ہمیں سرفراز فرمائیں خود آکر ان نونہالان چمن کو دیکھیں ان کی ضروریات کو سمجھیں، فی الوقت جو کام شروع کئے جاچکے ہیں یا مستقبل قریب میں فوری توجہ کے مستحق ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

## رواق اطہر

طلبہ کی یہ اقامت گاہ (ہوسٹل) زیر تعمیر ہے۔ یہ عمارت انشاء اللہ سہ منزلہ ہوگی ہر منزل میں بیس کمرے ہوں گے اور ہر کمرے میں چار سیٹیں ہوں گی اس طرح پوری عمارت ساٹھ کمروں پر مشتمل ہوگی اور دو سو چالیس طلبہ اسمیں قیام کرسکیں گے اس عمارت میں دو بڑے ہال بھی ہوں گے جو طلبہ اور دار الاقامہ کی علمی وثقافتی ضروریات میں کام آسکیں گے۔

## معہد دار العلوم

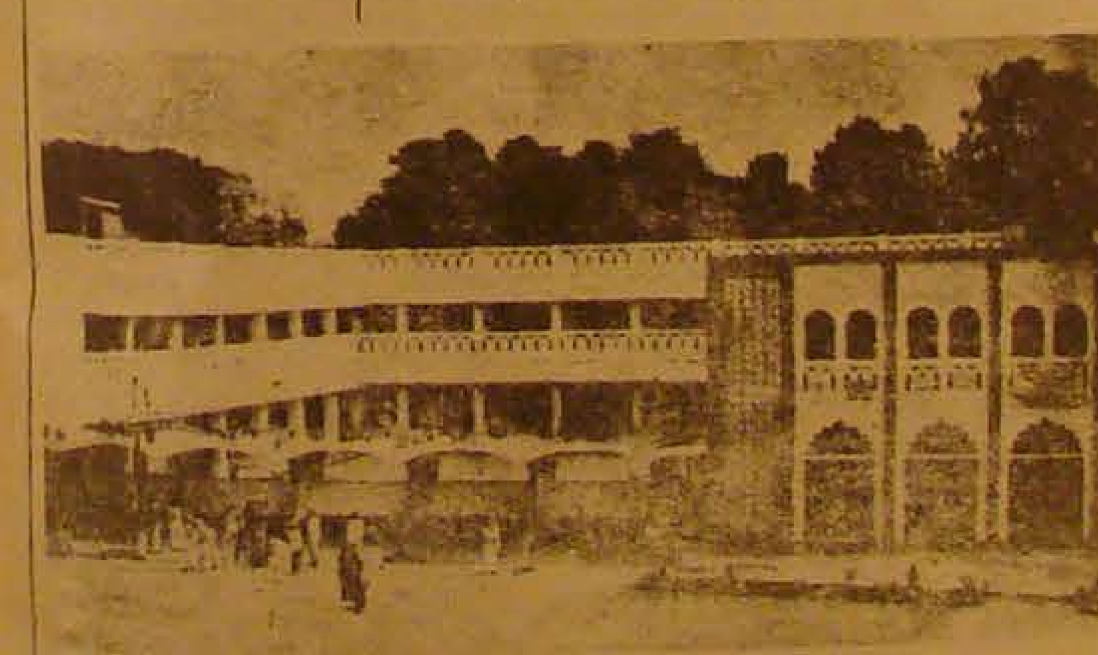

معہد دار العلوم (یا مدرسہ ثانویہ) یہ عمارت فی الوقت دو منزلہ ہے اسمیں ۲۴ کمرے اور دو ہال ہیں۔ اس عمارت کے دونوں ہال فی الوقت چھوٹے بچوں کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں (اس عمارت کے دونوں بازوؤں کو سائیکل اسٹینڈ اور وضو خانہ کا خوبصورت شیڈ ملاتا ہے) چھوٹے بچوں کی نماز باجماعت ایک ہال میں ہوتی ہے، اس عمارت کی تیسری منزل بھی تعمیر ہونا ہے۔

## اسٹاف کوارٹرس

حضرات اساتذہ کرام کے لئے رہائشی مکانات کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ فی الوقت چار مکانوں کی بنیاد ڈال دی گئی ہے اور تعمیری کام کا آغاز کردیا گیا ہے۔ یہ مکانات دو منزلہ ہونگے۔



## کتب خانہ

دار العلوم ندوۃ العلماء کا کتب خانہ ہندوستان کے گنے چنے کتب خانوں میں سے ایک معروف ومشہور کتب خانہ سمجھا جاتا ہے، جہاں علوم سے دلچسپی رکھنے والے بیرونی ممالک کے بھی لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ یہ کتب خانہ دار العلوم کے وسیع وعریض ہال میں عرصہ سے قائم ہے اس کے لئے علیحدہ عمارت کی ضرورت کا عرصہ سے احساس ہو رہا ہے اس کا نقشہ بن گیا ہے اور اب اس عمارت کی تعمیر کا آغاز ہونا ہے۔ الحمد للہ اس مد کی کچھ رقم محفوظ ہے لیکن مزید کی اس میں ضرورت ہے۔

## دار تحفیظ القرآن الکریم

دار العلوم ندوۃ العلماء نے جب دار العلوم میں شعبہ حفظ کا افتتاح کیا تھا اسی وقت سے یہ ارادہ بھی کرلیا تھا کہ اس شعبہ کے لئے علیحدہ عمارت ہوگی جس میں تعلیم کے ساتھ رہائش کا بھی نظم ہوگا۔ اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہوگیا ہے اسکی تعمیر کا بھی آغاز ہونا ہے۔

## پریس اور دفاتر کی عمارت

پریس اور مختلف دفاتر کے لئے علیحدہ ایک عمارت بھی عرصہ سے زیر تجویز رہی ہے۔ تاکہ دار العلوم کی عمارت صرف تعلیمی اغراض ہی میں استعمال ہو، سارے درجات اسی میں رہیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو انتشار کبھی کبھی ہو جاتا ہے وہ ختم ہو جائے چنانچہ اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہوگیا ہے اور اس عمارت کی تعمیر بھی ہونا ہے۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دار العلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔ آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں شریک تھے ان کو یاد ہوگا کہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:۔

"یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائینگے آپ کے چار آنے آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں۔ یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی"۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں سے زیادہ وہ مقصد عزیز ہے جس کے لئے یہ دار العلوم قائم کیا گیا ہے، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی موثر اور صحیح ترجمانی دین ودنیا کی جامعیت اور علم وروحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنہ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد ہمیں اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں، ہم اللہ کا نام لے کر ان سارے متعدد اہم کام جن میں سر فہرست "دار تحفیظ القرآن الکریم" اور ایک عظیم الشان لائبریری کا قیام ہے (جہاں انشاء اللہ مطالعہ، بحث وتحقیق اور علمی استفادہ کا اعلی انتظام ہوگا) آغاز کر رہے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل وعریض ملک کے کسی علاقے کے ہوں ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں۔ ہمیں یقین اور اللہ تعالی کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ انشاء اللہ مولانا مدظلہ کی پرحکمت وبابرکت رہنمائی ونظامت میں اگر احباب ومخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام صرف ملک کے گوشہ گوشہ بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہونچے گا۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

(مولانا) عبد السلام قدوائی ندوی
معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء

(مولانا) معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء

(مولانا) محب اللہ لاری ندوی
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

(جناب) مصباح الدین نقوی
معتمد مال ندوۃ العلماء

بقیہ صفحہ ۲

باتیں سننے اور جاننے کے لئے بے تاب ہے، لیکن اس کے لئے معتدل فضا اور نارمل حالات کی ضرورت ہے، آپ نے ایسے لوگوں سے جو مسلمانوں کو سیاسی محاذ آرائی اور نعروں کی بنیاد پر بھڑکاتے، اکساتے اور جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اپیل کی کہ کم از کم امسال تک انہیں کام کا موقع دیا جائے اور انہیں ہیجان میں مبتلا نہ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ پچھلے سو سالوں سے کوئی ایسی تحریک نہیں پیدا ہوئی جس نے غیر مسلموں میں کام کیا ہو اور انہیں قریب لانے کی کوشش کی ہو۔ تحریکیں سراب کی طرح سے آئیں اور حباب کی طرح سے ختم ہو گئیں، آپ نے فرمایا کہ "دین سیاست سے الگ ہے" یہ خیال باہر سے آیا ہوا ہے۔ سیاست کوئی شجر ممنوعہ نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ سیاست اس پہاڑی ندی کی سی ہے جو اچھلتی، کودتی، گاتی شور مچاتی چلی جاتی ہے اور مدرسے اور دانش گاہیں وہ مراکز ہیں جن سے دنیا کی کھیتی ہری ہوتی اور انسانیت پروان چڑھتی ہے سیاست کو دانش گاہوں سے رہنمائی اور فکری غذا حاصل کرنی چاہیے ورنہ وہ ملت کے لئے تباہ کن بن سکتی ہے۔

آپ کے بعد صدر جلسہ مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اپنے صدارتی کلمات میں طلباء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ عبادت لازم اور عبادت متعدیہ۔ ایک کا تعلق خدا کی ذات اور تزکیہ نفس سے اور دوسرے کا تعلق خدا کی تمام مخلوق سے ہے۔ آپ نے بتایا کہ اس عبادت سے صوفیاء نے بڑا کام لیا ہے۔ اسی سے مخلوق کے دکھ درد، رنج والم کا پتہ چلتا ہے اور اسی سے ان کا دل جیتا جا سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ مخلوق کی خدمت بہت بڑا مشن ہے۔ اور اسلام کے تعارف کا بہترین ذریعہ بھی۔ صدر جلسہ کی پر از معلومات تقریر کے بعد مولانا اسحق جلیس صاحب ندوی نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ ان مقررین حضرات کے علاوہ دوسرے رہنمایان قوم، قائدین، زعماء جیسے مولانا منظور نعمانی صاحب، مولانا ابو العیث صاحب ندوی اصلاحی، مولانا نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ، مولانا عبد الکریم صاحب پاریکھ، مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاضی امارت شرعیہ، مولانا احمد علی صاحب قاسمی رانچی، مولانا ہاشم صاحب فرنگی محلی لکھنؤ، مفتی ضیاء الحق صاحب دہلی، بنات والا صاحب ایم۔ پی۔ اور دیگر علمائے اسلام، ذمہ داران واساتذہ ندوۃ العلماء نے شرکت کی۔ عشائیہ تک ندوۃ العلماء میں عشائیہ کے بعد اور دوسرے دن مسافر خانہ چار باغ میں مجلس مشاورت کی ایک روزہ میٹنگ کے بعد یہ سہ روزہ اجلاس ختم ہو گیا۔